تجلّیات

خواجہ شمس الدّین عظیمی

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ
ناظم آباد، کراچی ۱۸

قیمت -/۳۵ روپے

انتساب

اُن سائنسدانوں کے نام

جو پندرہ صدی ہجری میں

موجودہ سائنس کا آخری عروج

دُنیا کی تباہی

دیکھ کر ایک واحد ذات خالق کائنات

اللہ کی تجلی کا

عرفان حاصل کریں گے۔

فہرست

قرآن

قرآن مجید ہمیں ایسی اخلاقی اور روحانی قدروں سے آشنا کرتا ہے جن میں زمان و مکان کے اختلاف سے تبدیلی نہیں ہوتی۔ قرآن ہمیں ایسے ضابطۂ حیات سے متعارف کراتا ہے جو دنیا میں رہنے والی ہر قوم کے لئے قابلِ عمل ہے۔ اگر قرآن کی بتائی ہوئی اخلاقی اور رُوحانی قدریں سوئیٹزرلینڈ کی منجمد فضاؤں میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا بھی ان قدروں سے مستفیض ہوتے ہیں۔ جس طرح مادّی دنیا میں رہنے کے لئے ایسے آدابِ معاشرت اور قوانین موجود ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے تبدیل نہیں ہوتے۔ اسی طرح رُوحانی زندگی کے بھی کچھ قوانین ہیں جن میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

نوعِ انسانی کا یہ علم ہے کہ آگ جسم کو جلاتی ہے۔ آدم سے تا ایں دَم اور قیامت تک آگ کا جلانا ایک مسلّمہ امر ہے۔ ہر زمانے اور ہر خطۂ زمین پر آگ کا یہ وصف قائم ہے کہ آگ جلا دینے والی شے ہے۔ جس طرح صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی سے اس جہانِ آب و گِل میں جسمانی صحت متاثر ہوتی ہے اسی طرح رُوح کی صحت کے لئے بھی حفظانِ صحت کے اصول متعیّن ہیں، جن اصولوں سے ہماری رُوحانی صحت برقرار رہتی ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جن کا پرچار تمام پیغمبروں نے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے

کیا ہے۔ یہ رُوحانی صحت کو برقرار رکھنے کے اصول دو حصّوں میں تقسیم ہیں پہلا حصّہ اللہ کے حقوق اور دوسرا حصّہ بندوں کے حقوق۔ بندے کے اوپر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے کو اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو، اس کا دل اللہ کی محبّت سے سرشار ہو، اس کے اندر عبادت کا ذوق اور اللہ کے عرفان کا تجسّس کروٹیں لیتا ہو۔ بندے کا اللہ کے ساتھ اس طرح تعلق استوار ہو جائے کہ بندگی کا ذوق اس کی رگ رگ میں رچ بس جائے۔ بندہ یہ بات اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ جان لے کہ میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا رشتہ ہے جو کسی آن کسی لمحے اور کسی قیمت میں نہ ٹوٹ سکتا ہے، نہ معطّل ہو سکتا ہے، نہ ختم ہو سکتا ہے۔ یہ بات بھی حقوق اللہ میں شامل ہے کہ بندہ اس بات سے باخبر ہو اور اس کا دل اس بات کی تصدیق کرے کہ میں نے داح میں اس بات کا عہد کیا ہے کہ میرا رب، مجھے بنانے والا، خد و خال بخش کر میری پرورش کرنے والا اور میرے لئے وسائل فراہم کرنے والا اللہ ہے اور میں نے اللہ سے اس بات کا عہد کیا ہے کہ میں زندگی خواہ وہ کسی عالم کی زندگی ہو، آپ کا بندہ اور آپ کا محکوم ہو کر گزاروں گا۔

حقوق العباد یہ ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ساری نوعِ انسان اللہ کا ایک کنبہ ہے اور میں خود اس کنبے کا ایک فرد ہوں۔ جس طرح کوئی انسان اپنی فلاح و بہبود اور اپنی آسائش کے لئے اصول وضع کرتا ہے اسی طرح ہر انسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی آسائش و آرام کا خیال رکھے۔ انبیاء اور اہل اللہ کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات نظر بن کر سامنے آتی ہے کہ تمام انبیائے کرام اور تمام اہل اللہ نے مخلوق کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کا سچّا اور مخلصانہ جذبہ انسان کے اندر محبّت، اخوّت، مساوات اور ممتا کو جنم دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس راتیں عبادت میں اس لئے گزاریں کہ ان کے پیشِ نظر بنی اسرائیل کو بھرپور فیض سے نوازنا تھا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا سے باہر تشریف لائے تو بنی نوعِ انسان کو بے پناہ مادّی اور رُوحانی فیض حاصل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کی تاریکی میں گیان دھیان کر کے جو نعمت حاصل کی اس نعمت سے آدم زاد کی پیاسی رُوحوں کو سیراب فرمایا۔ قرآنِ پاک روحانی اور انسانی قدروں کا تذکرہ کر کے بندوں کو حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے طریقے سکھاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کا تذکرہ فرماتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہے، وہ خداوند قدُّوس ہے، وہ سلامتی اور امن دینے والا ہے، وہ نگہبان ہے، وہ غالب اور دبدبے والا ہے اور کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے، وہ خالقِ کائنات ہے، مُوجدِ کائنات ہے اور صورت گر موجودات ہے۔

بندہ جب اللہ تعالےٰ کے حقوق پورے کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی اس عمل کو قبول فرماتا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشادِ ربانی ہے:

"انسان کی آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کرتیں اور اللہ آنکھوں کا ادراک کر لیتا ہے۔"

یعنی بے بضاعت اور بے نظر انسان جو اپنی آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، اللہ خود آنکھوں کا ادراک بن کر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

"میں تو تیرے قریب ہوں، تو مایوس ہوتا ہے، میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔"

اللہ تعالےٰ یہ بھی فرماتے ہیں:

"تم جہاں بھی جاتے ہو میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہوں۔"

قربت کے مزید اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہم تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں۔"

ناقابلِ ادراک ہونے کے باوجود اللہ انسان کے ساتھ اپنی معیت اور قربت کا بار بار اعلان کرتا ہے۔

زمین پر اندھیرا

نوعِ انسان کی تاریخ ہمیں بیانگِ دہل بتا رہی ہے کہ زمین پر وہی قومیں حکمت اور دانشوری سے سرفراز کی گئی ہیں جو اللہ کی پھیلائی ہوئی نشانیوں میں غور کرتی ہیں۔ دنیا کی بادشاہت کا سہرا انہیں افراد کے سر پر سجتا ہے جو اللہ کی دی ہوئی عقل و فہم کو استعمال کرتے ہیں اور عقل و حکمت اور علم و عمل سے خود کو آراستہ کرتے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اگر زمین کے پیٹ میں جاری و ساری چشمے سوکھ جائیں تو کون ہے جو انہیں دوبارہ جاری کر سکتا ہے۔

فضاؤں میں رنگینی، زندگی کو تحفظ دینے والی روشنیاں، طرح طرح کی گیسیں، نیل گوں آسمان کی بساط پر ستاروں کی انجمن۔ رات کی تاریکی میں روشن چاند، دن کے اُجالے کو جلا بخشنے والا سورج، ہوا، معطر معطر خراماں خراماں نسیمِ سحر، درختوں کی نغمہ سرائی، چڑیوں کی چہکار، بلبل کی صدا، کوئل کی کوک کس نے تخلیق کی ہے؟ کیا ان سب کے اوپر ہمارا کوئی دخل ہے؟ اگر یہ سب ایک مربوط نظام کے تحت قائم نہ رہیں، ہمارے پاس ایسا

کون سا ذریعہ ہے جس سے ہم اس نظام کو قائم رکھ سکتے ہیں۔

اگر ان باتوں کو رفعت و عظمت سے تعبیر کر کے اپنی بے بضاعتی کہا جائے تو خود ہمارے جسم میں ایسی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جن سے ہم ہرگز ہرگز صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

ذرا غور تو کیجئے ــــــــــ

جسم کے اُوپر بال کس طرح چپکے ہوئے ہیں۔ مرد کے چہرے پر داڑھی ہوتی ہے عورت کا چہرہ ملائم اور بالوں سے صاف ہوتا ہے۔ آخر کیوں ؟ کیا اس نظام میں ہمارے لئے کوئی نشانی نہیں ہے ؟

مرد کے چہرے پر بال مرد کی خوبصورتی ہے اور عورت کا نرم و نازک اور ملائم چہرہ عورت کی خوبصورتی ہے۔ یہی بال جو مرد کے چہرے پر نکلتے ہیں، عورت کے چہرے پر اس لئے نہیں نکلتے کہ ایک مخصوص نظام کے تحت خون کی کثافت ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی بال دراصل خون کی کثافت ہے۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ قدرت نے اس کثافت کی قلبِ ماہیت کر کے بالوں کی شکل میں کس طرح چہرے، سر اور جسم پر چپکا دیا ہے۔ آنکھ کے اندر کی مشینری MACHINERY کا کھوج لگایا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں عضلات اللہ تعالےٰ کے کیمرے میں پرزے بن کر فٹ ہیں۔ دماغ کی کارکردگی پر غور کیجئے تو اندر کی آنکھ دیکھتی ہے کہ بارہ کھرب خلیئے (CELLS) دماغ میں موجود ہیں۔ اور ہر خلیہ آدمی کے اندر ایک حس SENSE ہے۔ یہی وہ خلیے ہیں جو ہمارے اندر فکر و خیال کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ دل کی پیچیدہ مشینری ایک حکم، ایک توازن، ایک پروگرام کے تحت رواں دواں ہے۔ دل انسانی خلیوں کو متحرک رکھنے کے لئے ایک ایسا انجن ہے جس کے چلانے میں انسانی ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

آپ نے کبھی سوچا ہے ؟

ماں کے پیٹ کی اندھیری کوٹھڑی میں آپ کی پرورش کس طرح عمل میں آئی ہے اور اس ظلمت کدہ سے سفر کرتے ہوئے ہم کس طرح مینارۂ نور بن جاتے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ حوّا کے پیٹ سے آدمی کے بجائے کوئی سانپ، کوئی بندر پیدا ہو جاتا ــــ بلاشبہ کائنات ایک مربوط نظام کے تحت مسلسل اور متواتر حرکت میں ہے اور جس نظام پر یہ کائنات چل رہی ہے وہ "نظامِ تکوین" ہے۔

ذرا سوچو، اگر اللہ رات کا دامن پھیلا کر اسے قیامت کے وقت سے ملا دے تو کیا اللہ کے بغیر کوئی اور طاقت ایسی ہے جو تمہیں اس طوالت سے بچا سکے اور اگر خدا دن کو قیامت تک طویل کر دے تو کیا اللہ کے بغیر کوئی طاقت ایسی ہے جو تمہیں سکون کی نیند اور رات کی آسودگیاں عطا فرمائے۔ جلی ہوئی خشک، ویران اور بنجر زمین پر جب بارش برستی ہے تو زمین کے اندر سے انگور کی بیل اور کھجور کے درخت اُگ آتے ہیں جو رنگ، خوشبو اور ذائقہ میں الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ کیسا کمال ہے، ایک ہی پانی مختلف ڈائیوں (DYES) میں جا کر رنگ و روپ اور ذائقوں میں مختلف ہو جاتا ہے۔ کیا یہ بات ہمیں غور و فکر کی طرف مائل نہیں کرتی کہ شہتوت پر آم کیوں نہیں اُگتے اور آم کے درخت پر آڑو کیوں نہیں اُگ آتے اور آڑوؤں کے درخت سے بیر کیوں نہیں اُترتے۔

کہکشاؤں میں ہزاروں سورج ہونے کے باوجود رات کو زمین پر اندھیرا کیوں ہو جاتا ہے۔ سائنس نے یہ تو جان لیا ہے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ سائنس داں یہ بھی کہتے ہیں کہ سورج میں آگ کے الاؤ روشن ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ کہکشاؤں GALAX-IES کی گردش پر کنٹرول کس کا ہے۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر بڑے سے بڑا سائنس داں

مرکیوں جاتا ہے۔ دل کی پیوند کاری کرنے والے سائنٹسٹ کا دل فیل کیوں ہوجاتا ہے۔

ارض وسما کو بار بار دیکھو۔ کیا تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟

حضرت ایوب علیہ السلام اپنی کتاب (ایوب کی کتاب باب ۲۸، ۲۹) میں فرماتے ہیں:۔

سیلابوں کی گزرگاہیں اور بجلی کی گرج اور چمک کی راہیں کس نے مقرر کیں، کیا تو بادلوں کو پکار سکتا ہے کہ وہ تجھ پر مینہ برسائیں، کیا تو بجلیوں کو اپنے حضور بلا سکتا ہے، دل میں سمجھ اور فہم کس نے عطا کی ہیں اور ہرن کو آزادی کس نے دی؟

آسمانوں میں اِعلان

ایمان ایک ایسا جوہر ہے جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے مگر یہ حلاوت اور چاشنی اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ سے زیادہ دوسری چیزوں کو عزیز رکھتا ہے، اللہ کا سچا بندہ اور شیدائی نہیں ہے۔ جب ہم محبت کا تذکرہ کرتے ہیں تو محبت ہم سے کچھ تقاضے کرتی ہے اور وہ تقاضا یہ ہے کہ محبت ہمیشہ قربانی چاہتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ محبت ایک ایسی قلبی کیفیت کا نام ہے جو ظاہرہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن انسان کا عمل اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ اس کے اندر محبت کا سمندر موجزن ہے یا نہیں۔ ایک آدمی زبانی طور پر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے محبت کرتا ہوں لیکن جب ایثار اور قربانی کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ثابت نہیں ہوتا

اس کی محبت قابلِ تسلیم نہیں سمجھی جائے گی۔ خدائے تعالےٰ سے جو لوگ محبت کرتے ہیں اُن سے اللہ تعالےٰ بھی محبت کرتا ہے اور جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کے دل میں محبت بھر دیتے ہیں۔ محبت کی یہ خوشبو جب آسمان کی رفعتوں کو چھوتی ہے تو آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب محبت کی یہ خوشبو زمین کی چاروں سمت کو محیط ہو جاتی ہے تو زمین پر بسنے والا ہر فرد خواہ وہ انسان ہو، پرندہ ہو، چرندہ ہو، درندہ ہو اس شخص سے والہانہ محبت کرتا ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریلؑ کو بلا کر کہتا ہے میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبریلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور عالمِ آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ خدا اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لئے زمین والوں کے دلوں میں قبولیت اور عقیدت پیدا کر دی جاتی ہے۔

جب اللہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبت ہی تو ہے کہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے طرح طرح کے وسائل پیدا کرتا ہے۔ زمین کو اس نے حکم دے رکھا ہے کہ میری مخلوق کے لئے انواع واقسام کی غذائیں پیدا کر، سورج کو حکم دیا ہے کہ فضا کو مسموم ہونے سے محفوظ کر دے کہ میری مخلوق بیمار نہ ہو جائے۔ چاند کو حکم دیا ہے کہ اپنی ٹھنڈی کرنوں سے پھلوں میں شیرینی پیدا کر تاکہ میری مخلوق خوش نما، خوش ذائقہ اور شیریں پھل کھاتی رہے۔ ہوا کو حکم دیا ہے کہ

سُبک خرامی کے ساتھ چلتی رہ تاکہ میری مخلوق کی زندگی میں کام آنے والی بنیادی شے آکسیجن (OXYGEN) فراہم ہوتی رہے۔ زمین کو اللہ نے نہ اتنا سخت بنایا ہے کہ آدمی جب اس پر چہل قدمی کرے تو اس کے پیر دکھ جائیں، نہ زمین کو اتنا نرم بنایا ہے کہ جب اللہ کی مخلوق زمین پر چلے تو اس کے پیر دھنس جائیں۔ یہ اللہ کی محبت ہی تو ہے کہ اس نے اپنی قدرت کو پابند کر دیا ہے کہ وہ ایک توازن کے ساتھ معین مقداروں کے ساتھ مخلوق کی پرورش کرتی رہے۔ یہ اللہ کی محبت ہی تو ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کو آگ کی جھلسا دینے والی تپش سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک نظام بنایا، ایک نظام قائم کیا اور اس نظام سے اپنی مکلف مخلوق کو متعارف کرانے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ اس سے زیادہ محبت کی اور کیا روشن مثال ہو سکتی ہے کہ اللہ نے اپنے رحمت للعالمین محبوبؐ کو مخلوق کے درمیان بھیج دیا اور یہ اللہ کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے ماں کے دل میں بچے کی محبت اس طرح پیوست کر دی کہ ماں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بچے کے اندر انڈیلتی ہے اور پھر بھی خوش ہے۔

اللہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

جب کسی بندے نے اللہ کے لئے کسی بندے سے محبت کی تو اس نے اپنے رب کی تعظیم کی۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ خاتم النبیین، ختم المرسلین، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

"اے ہمارے چہیتے محبوبؐ! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو

میری پیروی کرو، خدا تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔"

خدا سے محبت کے دعوے کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے اور یہ دعویٰ خدا کی نظر میں اسی وقت قابلِ قبول ہے جب ہم خدا کے رسولؐ کی پیروی کریں۔

ہماری تصویر

ایک مصور کو خیال آیا کہ وہ نیکی کی تصویر تیار کرے۔ چنانچہ وہ شہروں اور دیہاتوں میں برسوں گھومتا رہا۔ آخر ایک روز اُسے ایک نہایت حسین بچہ نظر آیا جس کا رنگ گورا تھا، آنکھیں موٹی اور حیادار تھیں، جسم سڈول اور ملائم، پیشانی روشن اور فراخ، دست و پا نرم و نازک تھے۔ وہ فرطِ مسرت سے چلّا اٹھا: "مل گئی، نیکی کی تصویر مل گئی۔" چنانچہ اس نے اس بچے کی تصویر کو اپنے اسٹوڈیو میں لٹکا دیا اور نیچے لکھ دیا: "نیکی کی تصویر"۔

ایک عرصہ کے بعد اُسے خیال آیا کہ بدی کی تصویر بھی بنانی چاہیئے چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ دنیا میں نکل پڑا۔ بیس برس تک گھومتا رہا۔ لاکھوں، کروڑوں چہرے دیکھے، بد سے بدتر لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی۔ آخر ایک دن اُسے ایک عجیب چہرہ نظر آیا کہ اُسے دیکھتے ہی اس کا دل نفرت و حقارت کے جذبات سے بھر گیا۔ اب وہ پھر چلّا اُٹھا "مل گئی، مل گئی بدی کی تصویر"۔

اور یہ تصویر بھی اس کے اسٹوڈیو کی زینت بن گئی۔ اربابِ ذوق اس کے اسٹوڈیو میں آتے جاتے رہے۔ ایک دن ایک شخص آیا اور ان دونوں تصاویر کے سامنے تصویرِ حیرت بن کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مصور سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ

یہ دونوں تصاویر میری ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ "شر اور خیر کا ذرہ ذرہ تولا جاتا ہے۔"

قرآن پاک میں یہ بھی ارشاد ہے۔ "آپ کیا سمجھے علّیین (نیکوکاروں کا مقام) کیا ہے اور آپ کیا سمجھے سجّین (بدکاروں کا مقام) کیا ہے۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب (فلم) ہے۔" انسان جو کچھ بھی کرتا ہے، اس کی زندگی کا ہر عمل اور زندگی کی ہر حرکت ریکارڈ ہو جاتی ہے۔ یعنی بندہ جو کچھ کر رہا ہے، ساتھ ساتھ اس کی فلم بھی بن رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہم نیکوکاروں کو نہ صرف ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے بلکہ کچھ زیادہ ہی عنایت کریں گے۔ ان کے چہروں کو ذلّت اور سیاہی سے محفوظ رکھیں گے اور جنّت کی بہاروں میں انہیں دائمی مسکن عطا کریں گے۔ دوسری طرف ہم بدکاروں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دیں گے، ان کے چہروں پہ ذلّت برسائیں گے، انہیں ہماری قاہرانہ گرفت سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے مُنہ اس قدر سیاہ ہو جائیں گے گویا شب تاریک کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر ان کے رُخ پر چپکا دیا گیا ہو۔ یہ لوگ سدا جہنّم میں رہیں گے۔ (سُورۂ یونس)

ان آیات پر تفکر کریں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کا عکس چہرے میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور جو بندہ جس قسم کے کام کرتا ہے اسی مناسبت سے اس کے چہرے پر تاثرات مرقوم ہوتے رہتے ہیں۔

نفسیات داں یہ بات جانتے ہیں کہ ہر انسان روشنیوں سے مرکب ہے اور روشنی کی یہ لہریں انسان کی ہستی سے غیر محسوس طریقے پر نکلتی رہتی ہیں۔ کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا آتا ہے کہ ہم اس چہرہ کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں اور جس ہستی کا یہ چہرہ ہے ہم اس کے گرویدہ

ہو جاتے ہیں۔ کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا بھی آتا ہے کہ ہم اس چہرے میں سے نکلنے والی لہروں سے بیزار ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد از جلد وہ چہرہ ہماری نظروں سے دُور ہو جائے۔

جن لوگوں کے دل اللہ کے نور سے معمور ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دماغ میں خلوص، ایثار، محبت، پاکیزگی اور خدمتِ خلق کا جذبہ ہوتا ہے ایسے لوگوں کے چہرے بھی خوش نما، معصوم اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ان چہروں میں ایسی مقناطیسیت ہوتی ہے کہ ہر شخص قریب ہونا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے لوگ جو احساسِ گناہ اور اضطراب میں مبتلا ہیں، ان کے چہروں پر خشونت، خشکی، یبوست، بے آہنگی اور کراہت کے تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تاثرات دوسرے آدمی کے دل میں دُور رہنے کا تقاضا پیدا کرتے ہیں۔

آیئے ہم دیکھیں کہ ہماری تصویر کیسی ہے؟

سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد رات کو سونے سے پہلے قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جائیے۔ چند منٹ آنکھیں بند کر کے یہ تصور کیجئے کہ میری زندگی کے پورے اعمال کا ریکارڈ میرے اندر موجود ہے اور میں اس ریکارڈ یا اپنے اندر موجود فلم کو دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں کھول لیجئے اور آئینہ کے اوپر بھرپور نظر ڈالیئے۔ اگر آپ کا چہرہ روشن ہے، چہرہ پُرنور ہے، معصومیت ہے اور چہرے کے خدوخال میں مسکراہٹ کی لہریں دَور کر رہی ہیں تو آپ بلاشبہ نیکی کی تصویر ہیں۔ اور اگر آپ کا چہرہ سوگوار ہے، خشک ہے، چہرے پر نفرت و حقارت کے جذبات موجود ہیں، کبر و نخوت کے آثار ہیں اور آپ کا چہرہ خود آپ کو بُرا لگتا ہے تو آپ برائی کی تصویر ہیں، یاد رکھیئے!

قانونِ فطرت یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل کی فلم بنتی رہتی ہے اور ہر آدمی کی اپنی اس فلم کے لئے اس کا اپنا چہرہ اسکرین ہے۔ کراماً کاتبین کی بنائی ہوئی فلم انسانی چہرے پر چلتی رہتی

ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ایک پریشان حال مصیبت کا مارا اور غم کی چکی میں پسے ہوئے آدمی کے چہرے پر پریشانی اور غم و آلام کے پورے پورے تاثرات موجود ہوتے ہیں۔ یقیناً آپ نے ایسے آدمی بھی دیکھے ہیں کہ ایک آدمی خوش باش لوگوں کے ہجوم میں داخل ہوتا ہے تو ساری محفل افسردہ اور پراگندہ دل ہو جاتی ہے اور یقیناً اس دنیا میں پاکیزہ نفس حضرات بھی موجود ہیں کہ ان کے وجود سے خوشی، مسرت اور سکونِ قلب کا ہجوم پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سورۂ آل عمران میں فرماتے ہیں:

وہ دن آکر رہے گا جب بعض چہرے نورانی ہو جائیں گے، بعض تاریک سیاہ رو لوگوں سے کہو کہ تم نے اللہ کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے احکام سے انحراف کیا۔ اب اس کی سزا بھگتو۔ باقی رہے وہ لوگ جن کے چہرے نورانی ہیں، تو یہ مستقل اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

تسخیرِ کائنات

اللہ پاک نے جب کائنات کے بنانے کا ارادہ کیا تو کائنات کا ایک نظام بھی زیرِ بحث آیا، اس لئے کہ کارخانۂ قدرت کسی مبسوط نظام، قاعدوں اور ضابطوں کے بغیر نہیں چلتا۔ قرآن کہتا ہے کہ:

اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے وجود میں آجا۔ اور وہ شے تخلیقی عوامل سے گزر کر وجود میں آجاتی ہے۔ (سورۂ یٰسین)

قرآن نوعِ انسانی کو اس تفکر کی طرف مائل کرتا ہے کہ نظام چلانے کے لئے

قاعدوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات مادّی، برقی، مقناطیسی اور سائنسی قوانینِ قدرت کا مجموعہ ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قوانینِ مظاہرِ قدرت اور مناظرِ کائنات پر بہرحال حاوی ہیں۔ کائنات میں ہر شے ایک نظام کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ہم رشتہ اور ایک دوسرے سے متعارف ہے۔ کائنات کا کوئی یونٹ کسی بھی دوسرے یونٹ سے اپنا رشتہ منقطع نہیں کر سکتا۔

قرآنِ کریم ان تمام مناظر کو جو کائنات کے کل پرزے ہیں، اللہ کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور نوعِ انسانی کے لئے لازم کرتا ہے کہ نوعِ انسانی کے عاقل اور باشعور افراد اللہ کے ان تمام زمینی اور آسمانی مناظر اور مظاہر کا مطالعہ کریں اور عقل و بینش کی گہرائیوں سے ان آیات پر غور و فکر کریں۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے گونگے بہرے رہ کر زندگی نہ گزاریں۔ خالق چاہتا ہے کہ غور و فکر سے متعلق اللہ تعالےٰ نے بندہ کو جو صلاحیتیں دی ہیں ان کو استعمال کیا جائے۔

"آپ کہہ دیجئے، مشاہدہ کرو جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں"

کیا تم مشاہدہ نہیں کرتے ؛
کیا تم غور و فکر نہیں کرتے ؟
کیا تم تدبر نہیں کرتے ؟

خداوندِ قدوس کی نظر میں بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے ہیں یعنی گونگے بہروں کی سی زندگی گزارتے ہیں اور عقل و تدبر سے کام نہیں لیتے۔ (قرآن)

بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہاری

پیدائش میں بھی اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (الجاثیہ)

اے دیکھنے والے کیا تو رحمٰن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نظر کر، یہ ہر بار تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔ (الملک)

اور وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ یہ سب کچھ خدا نے تدبیر سے پیدا کیا۔ سمجھنے والوں کے لئے وہ اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے۔ (یونس)

تسخیر کائنات سے متعلق قرآنی آیتوں سے یہ بات روشن دن کی طرح ثابت ہے کہ کائنات کے بنانے والے نے حکم دیا ہے کہ انسان تخلیقِ کائنات کے قوانین کا اس انہماک اور غور و فکر سے مطالعہ کرے کہ ہر چیز کی کاریگری سامنے آجائے۔ تخلیقی فارمولوں پر غور کرنے والا طالبِ علم جب انہماک کے نقطۂ عروج میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر ایسے ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ جن علوم کی ابتدا لامحدودیت سے ہوتی ہے اور ایسے طالب علم کا علم محض کتابوں تک محدود نہیں رہتا۔ اور وہ اسلاف کی بنائی ہوئی دہلیز پر بیٹھا ہوا مکان کی اینٹیں شمار نہیں کرتا رہتا۔ وہ تدبّر اور تفکر کی کسوٹی پر مشاہدہ اور تجزیہ کرکے یہ جان لیتا ہے کہ فضائے بسیط میں گیسوں کا آمیزہ زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ بارش اور ہواؤں کا انتظام، کاربن، آکسیجن وغیرہ کا مشاہدہ اس کے لئے ایک عام بات بن جاتی ہے۔ وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ کرۂ ارض کا حجم مناسب اور معین مقداروں پر قائم ہے۔ اگر حجم زیادہ ہوتا تو کششِ ثقل کی زیادتی کی وجہ سے ہوا (کاربن ڈائی آکسائڈ

خلا میں منتشر ہونے کی بجائے زمین کی سطح سے آچمٹتی اور ذی روح ہر مخلوق کا سانس لینا دشوار ہوجاتا اور اگر کرۂ ارض کا حجم موجودہ معین مقداروں سے کم ہوتا تو کششِ ثقل (GRAVITY) کی وجہ سے ہوا (آکسیجن) خلا میں اُڑ جاتی اور تمام ذی روح فنا کے گھاٹ اُتر جاتے۔

یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ چاند اور سورج سے زمین کا فاصلہ بھی معین مقداروں پر قائم ہے۔ اگر زمین سورج سے معین مقداروں کی نسبت زیادہ دور ہوتی تو تمام کرہ یخ بستہ ہوتا۔ برف کی دبیز سلوں کے علاوہ زمین پر کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر فاصلہ معین مقداروں سے کم ہوتا تو سورج کی تپش فصلوں کو جلا کر راکھ کردیتی۔ چاند اور زمین کے فاصلے میں اگر معین مقداریں ٹوٹ جائیں تو مد و جزر کی لہریں اتنی بلند ہوجائیں گی کہ ساری زمین سمندر کی طوفانی لہروں میں غرق ہوجائے گی۔

کائنات میں تفکر کرنے والا بندہ اور روحانی سائنس کا طالب علم اپنے مشاہدہ اور تجزیہ (ANALYSIS) کی بنا پر اس مقصد سے   ہوتا ہے کہ ــــ

کائنات میں عناصر کی ترتیب، ہم آہنگی، نظم، افاد   ومقصدیت کور چشم شعور کی کارفرمائی نہیں ہے۔ کوئی طاقت ہے، کوئی ہستی   ہے کے حکم پر ازل تا ابد نظامِ حیات و کائنات قائم ہے اور اس   نظام میں تمام عناصر، تمام مناظر اور سب مظاہر معین مقداروں پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور ہم رشتہ ہیں۔

پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے تخلیق کیا معین مقداروں کے ساتھ اور ہدایت بخشی۔ (الاعلیٰ)

دولت کی محبت بت پرستی ہے

ایسی کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہوں نے خدا اور انبیاء کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا چنانچہ ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا اور انہیں المناک عذاب دیا۔ یہ لوگ بدکاری کے نتائج سے دوچار ہوئے اور ان کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ ابھی ایک اور دردناک عذاب ان کا منتظر ہے۔ اے عقل والو، سمجھ بوجھ سے کام لو۔" (التحریم)

جو قوم اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرتی ہے اور اللہ کی پرستش کی بجائے دولت پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اللہ ایسی قوم کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ یہ کوئی کہانی نہیں ہے بلکہ روئے زمین پر اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک اور محلات کے مکین نظر میں آئے لیکن ان کے عالی شان محلات کھنڈرات کی شکل میں زمین پر جگہ جگہ موجود ہیں۔

"کیا یہ لوگ زمین میں گھوم پھر کر نہیں دیکھتے کہ پہلی اقوام کا انجام کیا ہوا۔ وہ لوگ قوت اور تہذیب و تمدن میں ان سے برتر تھے لیکن اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا اور انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔" (المؤمن)

چھوٹی غلطیوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے اور جب تک اللہ کے بتائے ہوئے نظام میں خلل واقع نہ ہو، قانونِ قدرت لغزشوں کو نظر انداز کرتا رہتا ہے لیکن جب افراد کے غلط طرزِ عمل سے خدا کی خدائی میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور اچھے لوگ بھی بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں تو خدا کا قاہرانہ نظام متحرک ہو جاتا ہے اور قوم دردناک عذاب

میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اللہ کا قانون ایسے افراد سے اقتدار چھین لیتا ہے اور یہ افراد یا قوم غلام بن جاتی ہے، اس لئے کہ قوم نے خود دولت کا غلام بن کر اپنے لئے عارضی اور مٹ جانے والی چیز کی غلامی پسند کر لی تھی۔

آج کا ہمارا دور بلاشبہ دولت پرستی کا دور ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ دولت پرستی اور بُت پرستی دو الگ الگ طرزِ عمل ہیں۔ پتھروں کو پوجنا یا سونے کو پوجنا ایک ہی بات ہے۔ بُت بھی، اللہ کی مخلوق پتھروں اور مٹی سے تخلیق کئے جاتے ہیں اور سونا چاندی بھی مٹی کی بدلی ہوئی ایک شکل کا نام ہے۔ سونے، چاندی اور جواہرات کی محبت نے قوم کو اس حد تک اندھا کر دیا ہے کہ شرافت اور خاندان کا معیار ہی دولت بن گیا ہے۔ ہوسِ زر کا عالم یہ ہے کہ ہماری تمام انسانی قدریں پامال ہو چکی ہیں۔ خاندانی اخلاق، اسلاف کی نجابت، قومی روایات اب ملبہ کا ڈھیر بن گئی ہیں۔ موت کے بعد زندگی سے یقین اُٹھ گیا ہے۔ ساری قوم "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کی تفسیر بن گئی ہے۔ روحانی قدروں کو ذبح کر کے اخلاقی برائیوں کو جنم دیا جا رہا ہے۔ اللہ کے اس فرمان کی کھلی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

"اللہ کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اللہ کے بندے جب اس کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں تو قوم کانوں میں روئی اور منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ قوم کے یہ باطن افراد سو جاتے ہیں اور شیطان اپنی کامرانی پر قہقہے لگاتا ہے۔

"ہم نے ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق [illegible] پر پتھروں کا مینہ برسایا، کسی کو کڑاک نے دبوچ لیا، کچھ کو زمین نے نگل لیا اور کچھ کو سمندر کی لہروں نے تہ آب کر دیا۔

ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنی تباہی کے ذمے دار ہیں۔" (العنکبوت)

آج کے انسان نے مال و زر کو زندگی کا مقصد بنا لیا ہے اور اس دولت سے بڑی بڑی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کرنا ہی فخر کا باعث بن گیا ہے لیکن ہم نہیں سوچتے کہ آج سے پہلے بھی قوموں نے خوبصورت محلات کو اپنی معراج سمجھ لیا تھا۔ ایسے ایسے لوگ ہو گزرے ہیں جن کی فکر و تدبیر سے، ظلم و ستم سے، حشمت و دبدبہ سے، کبر و نخوت سے دنیا دہل جاتی تھی لیکن جب قدرت کی گرفت ان کے اوپر مضبوط ہو گئی اور ان کے اوپر سے عفو و درگزر کا سایہ اٹھ گیا تو یہ سب مٹی میں مل گئے۔ آج ہم مٹی کے ان ہی ذرات کو پیروں میں روندتے پھرتے ہیں۔

" وہ لوگ کتنی ہی جنتیں، چشمے، کھیتیاں، بلند منازل اور نعمتیں جن سے فائدہ اٹھاتے تھے چھوڑ کر چلے گئے۔" (القرآن)

اللہ کے قانون سے انحراف کی ہزاروں سزائیں ہمارے سامنے ہیں:-

نئے نئے موذی امراض کی یلغار ہے، سب کچھ ہوتے ہوئے ہر شخص افلاس کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، اولاد نالائق ہے یا والدین نالائق قرار دیئے جا رہے ہیں، قوم بصارت اور بصیرت سے محروم ہو رہی ہے، دماغی عارضے آج جتنے عام ہیں اتنے کبھی نہ تھے، موت ایک کھیل تماشا بن گئی ہے، ذرا ذرا سے دل دھڑکا اور آدمی لحد میں اتر گیا۔ عدم تحفظ کا عالم یہ ہے کہ پتا بھی ہلے تو دل سینے کی دیوار سے باہر آ جانا چاہتا ہے۔ گویا میاں بیوی کی تو تکار سے نوجوان نسل شادی کے بندھن کو بوجھ سمجھنے لگی ہے۔ وسائل کے انبار ہونے کے باوجود روزی تنگ ہو گئی ہے۔

" جو لوگ میرے احکام کو بھول جائیں گے ہم یہاں ان کی روزی تنگ کر دیں گے اور قیامت میں انہیں اندھا بنا کر اٹھائیں گے۔" (طٰہٰ)

ترقی کا محرم غیر مسلم؟

حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر بیت المقدس کے قریب ہوا تو تباہ و برباد بستی کو دیکھ کر دل میں خیال آیا، کیا یہ ویران اور تباہ حال بستی دوبارہ آباد ہو سکتی ہے؟ کیا اس بستی میں آباد انسان جن کا اب نام و نشان باقی نہیں رہا دوبارہ اس بستی کو رونق بخشیں گے؟ یہ سوچتے سوچتے ذرا دیر کے لئے زمین پر بیٹھ گئے تو نیند آ گئی اور سو سال تک سوتے رہے۔ سو سال یا ایک صدی تک سونے کے بعد نیند سے بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

" اپنے گدھے پر غور کر جس کی ہڈیاں بھی راکھ کا ڈھیر بن گئی ہیں اور دیکھ ہم کس طرح انہیں ترتیب دے کر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ حضرت عزیرؑ نے مردہ گدھے کو زندہ ہوتے دیکھا تو پکار اٹھے مجھے ایسی قدرت کا علم اب حاصل ہوا ہے۔" (سورۂ بقرہ)

کائنات کا علم جب حاصل ہو جاتا ہے تو انسان کے اندر ایمان و یقین کی ایک دنیا روشن ہو جاتی ہے اور نور سے دل منور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

" جب ان کے سامنے آیاتِ الٰہی کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں۔" (سورۂ انفال)

تاریکیوں سے نکلنے، حزن و ملال کی زندگی سے آزاد ہوتے، اقوامِ عالم میں مقتدر ہونے، دل و دماغ کو انوار الٰہیہ کا نشیمن بنانے اور نظامِ ربوبیت اور خالقیت کو سمجھنے کے لئے صحیفۂ کائنات کے ذرّے ذرّے کا مطالعہ امرِ لازم ہے صحیفۂ کائنات

کے ایک ایک جزو کی تشریح قرآن پاک میں موجود ہے۔ قرآن وہ صحیفۂ آسمانی ہے جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے زندگی کا پیغام ہے۔ قرآن جہاں تسخیر کائنات کے فارمولوں کی دستاویز ہے وہاں انسانی زندگی کے لئے ایک دستور ہے۔ اس دستاویز میں ایسے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر عمل کر ذلت عزت میں، شکست فتح میں، کمزوری قوت میں، بدحالی خوش حالی میں اور انتشار وحدت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کا قانون ہمہ گیر ہے سب کے لئے ہے۔ جس طرح ہر آدمی متعین فارمولے سے کوئی چیز بنا لیتا ہے اسی طرح صحیفۂ ہدایت میں غور و فکر کر کے اپنے لئے ایک منزل متعین کر لیتا ہے۔

ہائے افسوس! مسلمان کے اندر سے غور و فکر کا پیٹرن (PATTERN) نکل گیا ہے، سوخت ہو گیا ہے۔ مسلمان کو ذہنی، شعوری، فکری اور اساسی بنیاد پر ایسی راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا گیا ہے جہاں فکر و تدبیر کا دم گھٹ جاتا ہے اور ایک مخصوص طبقہ نے ناہموار، ناکام اور نامراد راستے پر مسلمان کو اس لئے ڈال دیا ہے کہ اس طبقہ کی اجارہ داری قائم رہے۔ صحیفۂ آسمانی ہمیں زمین کے اندر بھرے ہوئے خزانوں اور سمندر کے اندر موجود دولت سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے، حکم دیتا ہے اور پہاڑوں کے جگر چاک کر کے اُن کے ذخائر سے فائدہ اٹھانے کا درس دیتا ہے۔ مگر ہم نے اپنے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے، کان بند کر لئے ہیں اور آنکھوں پر دبیز پردے ڈال لئے ہیں اور اس طرح وہ قوم جو تسخیر کائنات کے فارمولوں کی امین بنی تھی، تہی دست اور مفلوک الحال بن گئی ہے

غیر مسلم (اللہ کی مخلوق) نے جب اس صحیفہ کے اندر بیان کردہ اصولوں، قاعدوں مقداروں اور فارمولوں پر غور کیا تو وہ عزت دار بن گئے، علم و ہنر کے میدان میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ آج وہ ہواؤں میں محوِ پرواز ہیں، ان کے جہاز اور ان کی کشتیوں نے

سمندر کے سینے کو چھلنی کر دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہواؤں پر ان کی حکمرانی ہے، دریا اور سمندر اس کے زیر اثر ہیں، زمین کے اندر خزانے ان کے تابع ہیں، ہزاروں میل دُور بسنے والوں کی آواز آن واحد میں سننا اب روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ غیر مسلم اقوام نے صحیفۂ کائنات پر غور کرنا اور کائنات میں موجود ہر شئے کی تخلیق کا راز جاننا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ کیوں کہ وہ تخلیقی علم سے بیگانہ نہیں ہیں، اس لئے ترقی ان کی باندی بن کر رہ گئی ہے۔

یہ کیسا المیہ ہے کہ ہر ترقی کا مخزن غیر مسلم ہیں اور ہر بربادی، ذلت اور رسوائی مسلمان کا امتیازی نشان ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کے نام لیواؤں اور مسلم قوم کے دانشوروں نے شعور و آگہی اور فکر پر اپنی مصلحتوں کے پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسُولؐ سے فرماتا ہے:۔

"اے رسُول! مسلمانوں کو حکم دے کہ وہ زمین کے مختلف شواہد کا معائنہ کر کے آغازِ آفرینش کا کھوج لگائیں۔" (سورۂ عنکبوت)

"کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی، آسمان کیوں کر مرتفع کیا گیا پہاڑ کیسے نصب کئے گئے اور زمین کیوں کر بچھ گئی۔ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اعمالِ الٰہی کی ایمان افروز داستان ان کو سُنا کہ یہ تیرا فرض ہے۔" (سورۂ غاشیہ)

کفن دفن

ہمارے ایک دوست حاجی صاحب پژمردہ دل، نم ناک آنکھوں کے ساتھ

سڑک پر تیز تیز قدموں سے چل رہے تھے۔ میں نے سلام کیا اور پژمردہ دلی اور گھبراہٹ کے ساتھ تیز رفتاری کی وجہ پوچھی۔ بولے، میرے دوست حاجی رمضان کا انتقال ہوگیا ہے میں نے تعزیت کی اور کہا کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یہ مرحلہ ہر شخص کے ساتھ پیش آتا ہے آپ اور میں بھی عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں زندگی کے دھارے موت کی طرف بہنے لگتے ہیں۔ آج حاجی رمضان صاحب اپنے پس ماندگان کو داغِ مفارقت دے گئے کل یہی سب کچھ ہم کریں گے۔ یہ ایک ایسا مسلسل اور متواتر عمل ہے جو یومِ آفرینش سے جاری ہے اور یومِ قیامت تک جاری رہے گا۔ حاجی صاحب بہت خوب اور مرنجاں مرنج مزاج کے آدمی تھے۔ میری تقریر آمیز گفتگو سن کر بولے، بات یہ نہیں ہے کہ حاجی رمضان کیوں مرا، بات یہ ہے کہ اس کے ورثا سفرِ آخرت میں اس کے لئے دیوار بن گئے ہیں۔ حاجی رمضان کی چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ مال و اسباب اتنا ہے کہ صحیح معنوں میں اس کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ موت کی خبر سن کر چاروں لڑکیاں، چاروں داماد اور دوسرے عزیز و اقربا تجہیز و تکفین کے لئے کوٹھی میں جمع ہو گئے۔ اس وقت مسئلہ یہ پیش ہے کہ جائداد کی تقسیم ہو جائے تب جنازہ اٹھے گا۔ میں ان کا دوست ہوں۔ عمر میری اتنی ہے کہ بھنویں بھی سفید ہو گئی ہیں۔ میں نے بہت چاہا کہ جائداد کی تقسیم کا معاملہ کفن دفن کے بعد طے ہو جائے مگر صاحب وہاں تو کوئی کسی کی سنتا ہی نہیں ہے۔ اب ہو یہ رہا ہے کہ دونوں طرف کے وکیل ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں اور دھن دولت کے ساتھ ساتھ گھر میں موجود زیورات و جواہرات اور دوسرے اثاثوں کی فہرست تیار ہو رہی ہے۔ سب لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک بھائی بہنوں کو باپ کا چھوڑا ہوا اثاثہ تقسیم نہ کر دے اس وقت تک جنازہ نہیں اُٹھے گا۔ اس نفسا نفسی میں حالات یہ ہیں کہ حاجی رمضان کی لاش

پانی بن کر بہنے لگی ہے۔ برف کی سلوں سے کمرہ بھرا ہوا ہے۔ ایک طرف برف کا جگر پانی بن کر بہہ رہا ہے اور دوسری طرف حاجی رمضان کے جسم کے اندر کی چکنائیاں سڑاند بن کر پانی بن رہی ہیں۔ حاجی رمضان میرا دوست ہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی دوست کسی دوست کی اتنی زیادہ بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں پریشان ہوں۔ میں بہت غمگین ہوں۔ اتنا اُداس ہوں کہ لگتا ہے کہ عقل و شعور نے مجھ سے اپنا ناتا توڑ لیا ہے۔ حاجی صاحب کا کیا بنا، کب ان کا جنازہ گھر سے رخصت ہوا اس کے بارے میں کھوج لگانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

یہ واقعہ سننے کے بعد میرے دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔ میں نے جب اس بھیانک صورتِ حال پر غور کیا تو قرآن پاک کی ایک آیت ذہن میں دَور کرنے لگی:۔

"اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کر ڈالتے ان کے لئے عذابِ الیم کی بشارت ہے۔"

قرآنِ پاک کی اس آیت کا مفہوم ذہن میں آیا تو دماغ کے اندر موجود تفکر کا ایک دروازہ کھلا اور یقینِ محکم یہ بنا کہ دولت کے انبار جمع کرنے کے نتائج الم ناک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ عموماً اپنی صحت کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔ دل کمزور، جگر ناکارہ، ذیابیطس، فشارِ خون، جنسی بیماریاں، گردوں میں ریت، پھیپھڑوں میں زخم، پتے میں پتھری، آنتوں میں پیچش کے جراثیم اور نہ جانے کن کن مصیبتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نیند اُڑ جاتی ہے، سکون رُوٹھ جاتا ہے اور دوسروں کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دوستوں میں، رشتہ داروں میں اور عوام میں ان کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔ لوگ اگر محبت کا اظہار کرتے ہیں تو وہ دراصل ان کی ذات کا احترام نہیں ہوتا، اُن کے پاس جو آنی جانی دولت ہے

اُس کا اہتمام کرتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ ان کا خاتمہ عبرت ناک ہوتا ہے۔ پس ماندگان میں اولاد پر جوانی کا بھوت سوار ہو جاتا ہے تو وہ مادر پدر آزاد ہو کر تعلیم کو طاق نسیاں میں سجا کر حسن آباد کی طرف نکل جاتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ماں باپ زندہ ہوتے ہیں اور ماں باپ کے بڑھاپے کا واحد سہارا برخوردار کے دو بڑے ٹھکانے بن جاتے ہیں۔ ایسے دو بڑے ٹھکانے جہاں سے بے شمار برائیوں کے دھارے بہتے ہیں۔ ماں باپ سمجھاتے ہیں، منت کرتے ہیں، خون کے آنسو روتے ہیں، پوری پوری رات بیٹے کے انتظار میں ٹہل ٹہل کر گزارتے ہیں لیکن بیٹے پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کب دنیا کا کوئی ایک فرد بھی کہہ سکتا ہے کہ اس طرح کی اولاد اور ایسی دولت زندگی میں مسرت اور شادمانی کا پیغام دے سکتی ہے۔

نہیں، ہرگز نہیں!

ایسی دولت اور ایسی اولاد بلاشبہ ایک عذاب ہے۔ دولت کے دو رُخ ہیں۔ دولت کا ایک رُخ تو یہ ہے کہ انسان کو دولت عذاب بن کر، جہنم بن کر خاکستر کر دیتی ہے۔ دولت کا دوسرا رُوپ یہ ہے کہ دل و دماغ رنگینیوں، رعنائیوں، قناعت، مسرت اور شادمانیوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس رُوپ کا دولت مند بیواؤں اور یتیموں کے لئے پناہ گاہیں تعمیر کرتا ہے، سینکڑوں بپتاؤں اور مصیبتوں سے دوسروں کے لئے نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وہ حیوانِ محض بن کر زندہ نہیں رہتا۔ دل کی دُنیا میں جگ مگ روشن قمقمے سجا کر دل کی دنیا کو آباد کر لیتا ہے۔ وہ عقل کے لحاظ سے احمق اور آنکھوں کے لحاظ سے اندھا نہیں ہوتا۔ حیوانیت سے دُور ہوتا ہے اور اس عادت کو اپنا لیتا ہے جو عادت اللہ رب العالمین رازق کی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے مسلمانوں پر حیرت ہے کہ

ہر شخص دولت مند بننا چاہتا ہے لیکن حضرت عثمان رضؓ کوئی نہیں بننا چاہتا۔ ان کے لئے سورۂ توبہ میں وعید ہے:-

ترجمہ: تمہیں ان کے مال و اولاد پر حیرت نہیں ہونی چاہیئے۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اس دنیا میں مال و اولاد کو ان کے لئے ایک مستقل عذاب بنا دیں اور وہ اسی کافرانہ زندگی کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہو جائیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہمیں بتاتی ہے کہ حضورؐ نے کبھی دولت جمع نہیں کی۔ حضورؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام کا عمل یہ تھا کہ ایران و روم کی دولت کے انبار ان کے سامنے تھے لیکن یہ قدسی نفس حضرات پچیس لاکھ مربع میل قلمرو پر حکومت کرنے کے باوجود مزدوری کر کے بچوں کا پیٹ پالتے تھے اور مزدوری سے جو کچھ بچتا تھا وہ خیرات کر دیتے تھے۔

دنیا میں دولت سے زیادہ بے وفا کوئی چیز نہیں ہے۔ دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ دولت ہرجائی ہے۔ دولت ایک ایسا بزدلانہ تشخص ہے کہ جو دولت کو پوجتا ہے، دولت اس کو تباہ و برباد کر دیتی ہے لیکن جو بندہ دولت کی تحقیر کرتا ہے، سر پر رکھنے کے بجائے دولت کو پیروں کی خاک سمجھتا ہے دولت اس کے آگے پیچھے دوڑتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو معین مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ یہ معین مقداریں ہی تشخص بناتی ہیں۔ یہ معین مقداریں ہی باوجودیکہ ایک انسان دوسرے انسان میں اپنے ارادے اور [illegible] سے جذب ہو جاتا ہے لیکن سینٹی میٹر کے ہزارویں حصے کے برابر خلا نہ ہونے کے باوجود دونوں انسان الگ الگ رہتے ہیں۔ قانون یہ بنا کہ مقداروں میں تعین ہی انفرادیت اور تشخص قائم کرتا ہے۔ کوئی انسان اس

تخلیقی قانون کو توڑ نہیں سکتا۔ جس طرح ایک انسان ادراک رکھتا ہے اسی طرح دولت بھی ادراک سے خالی نہیں ہے۔ جب کوئی انسان دولت کے تشخص سے فرار اختیار کرتا ہے تو مقداروں کے قانون کے مطابق توازن برقرار رکھنے کے لئے دولت اس کے پیچھے بھاگتی ہے اور جب کوئی انسان دولت کے پیچھے بھاگتا ہے تو دولت اس کے ساتھ بے وفائی کرتی ہے اور عذاب بن کر اس کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے۔

آگ کا سمندر

خدا اس جہنم کا مالک ہے جس میں آگ کے سمندر کھول رہے ہیں۔ جہنم وہ مقام ہے جہاں سانپوں، اژدہوں اور بچھوؤں کا بسیرا ہے۔ اس گرم، تپتی، آتش فشاں وادی میں غذا تھوہر ہے۔ آنتوں، رگوں اور شریانوں کی سیرابی کے لئے جو مشروب ہے وہ پیپ ہے۔

اے لوگو! خدا سے ڈرو۔ خدا تمہیں ایسی سزا دے گا کہ اس سزا کے تصور سے ہی جسم پانی اور ہڈیاں راکھ بن جائیں گی۔ ایک اژدہا تمہارے اوپر پنجے مارے گا تم جہنم کی تپتی زمین میں اندر ہی اندر دھنستے چلے جاؤ گے۔ وہ اژدہا پھر تمہیں نکال لائے گا پھر تمہیں زمین کی انتہائی گہرائی میں دفن کر دے گا۔ پانی ایسا گرم ملے گا کہ ہونٹ ابل کر

۲۶

لٹک پڑیں گے۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو ہمارے کانوں میں پگھلتے سیسے کی طرح انڈیلے جاتے ہیں۔ ایک کمزور و ناتواں انسان ایسے خوفناک خدا سے ڈر ڈر کر خدا کو ایک خوفناک ہستی

سمجھنے لگتا ہے۔ خوفناک خدا کا تصور اُسے خوف اور دہشت کے ایسے صحرا میں پھینک دیتا ہے جہاں خدا ایک ڈراؤنا وجود بن جاتا ہے۔

ہمارے دانشور، ہمارے گائیڈ محراب و منبر سے ہمیں یہ کیوں نہیں بتاتے کہ اللہ وہ ہے جو شکم مادر میں ہمیں نو ماہ تک غذا فراہم کرکے ہماری ہر طرح نشوونما کرتا ہے۔ ہزاروں ہزار میل چل کر گھٹائیں ہماری خشک زمین پر پانی برساتی ہیں، حسین اور رنگین بہاریں زمین کو دلہن کی طرح سجاتی ہیں، آسمان پر جگ مگ کرتی قندیلیں ہماری نظر کو نور اور دماغ کو سرور بخشتی ہیں۔ خدا وہ ہے جس نے رنگ رنگ پھول زمین کی کوکھ سے پیدا کر کے انسان کے شعور میں رنگینی پیدا کر دی ہے۔ قطار در قطار درخت، پھلوں سے لدے ہوئے اشجار ہمارے منتظر ہیں کہ ہم انہیں خدمت کا موقع دیں۔ درخت کے پتے جب ہواؤں کے دوش پر جھومتے ہیں تو دراصل انسان کی تسکینِ روح کے لئے گیت گاتے ہیں، ہوائیں ساز بجاتی ہیں، ٹہنیاں رقص کرتی ہیں اور خود قدرت وجد میں آجاتی ہے۔ برساتیں شرم و حیا کے لبادے میں عرق آلود پیشانی سے مستیاں لٹاتی ہے، برسات کے اندھیروں میں، برسات کی روشنی میں نور اور کیف و سرور ہوتا ہے۔ سورج برسات کی لجاجت اور حیا کے پسینے سے آنکھیں موند لیتا ہے۔ دھوپ جس کا کام جھلسا دینا ہے، نرم اور ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور فضا دھل جاتی ہے۔ درخت نیا لباس زیب تن کر لیتے ہیں

وہ خدا جس نے زندگی کو قائم رکھنے کے لئے لتنے وسائل مہیا کر دیئے ہیں کہ اے انسان تو ان وسائل کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔ جب تو تھک جاتا ہے تو رات تجھے تھپک تھپک کر نیند کی لوریاں سنا کر سلا دیتی ہے اور جب سوتا رہتا ہے تو دن آہستہ خرام تیرے گرد ساز و آواز کے ساتھ مدھم مدھم دستک دے کر تجھے بیدار کر دیتا ہے۔

اے ہمارے دانشور، ہمارے گائیڈ تم اس خدا کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے جس نے ہمارے اندر ایک مشین نصب کر دی ہے جس کا ہر پرزہ ہمارے اختیار اور ہمارے ارادے کے بغیر چل رہا ہے۔ دل سارے جسم کو شاداب رکھنے کے لئے خون دوڑا رہا ہے، دماغ اعصابی نظام کو بحال رکھنے کے لئے تواتر کے ساتھ زندگی کی اطلاع دے رہا ہے۔ آنتیں غذا کو جزوِ بدن بنا رہی ہیں۔ آنکھیں مناظرِ قدرت کی ویڈیو فلم بنا رہی ہیں۔

اے ہمارے دانشورو، ہمارے رہنماؤ!

تم کیوں صرف ایسے خدا کا تذکرہ کرتے ہو کہ انسان جس خدا کو خوفناک ہستی، ڈراؤنی ذات سمجھ کر رات دن ڈرتا رہے، لرزتا رہے، جسم کا ہر عضو کانپتا رہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ ڈر اور خوف دوری اور جدائی کا اکسیری نسخہ ہے۔ یہ کون نہیں تسلیم کرے گا کہ ڈر گھٹن ہے، ڈر اضطراب ہے، ڈر بے چینی ہے، ڈر اور خوفناکی دو دلوں میں جدائی کی ایک دیوار ہے۔

اے میرے بزرگو! میرے اسلاف کی نیابت کے دعویدارو! اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا باپ ایک خوفناک ہستی ہے اور وہ تمہارے وجود کو جلا کر خاکستر کر دے گا تو کیا تم اس کے قریب جاؤ گے؟

دنیا کا قانون ہے کہ امن پسند شہریوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ حاکم امن پسند شہریوں کو اچھا ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان سے محبت بھی کرتا ہے، ان کی صحت، ان کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے۔

اے میرے دانشورو!

تم اپنے پیچھے چلنے والی بھیڑ کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ قانون کی پاسداری کرو، حاکم

اپنے فداکاروں اور اپنی اطاعت کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اگر تم اللہ کے پھیلائے ہوئے وسائل کو صبر و شکر کے ساتھ خوش ہو کر استعمال کرو گے تو اللہ خوش ہوگا، اس لئے خوش ہوگا کہ یہ سارے وسائل تمہارے ہی لئے تخلیق کئے گئے ہیں۔ آج کا انسان اگر اچھا لباس پہننا ترک کر دے اور موٹا جھوٹا کھدر کا لباس پہننے لگے تو ہزاروں فیکٹریاں بند ہو جائیں گی۔ فیکٹریاں بند ہو جانے سے لاکھوں انسان بھوک سے مر جائیں گے۔ آسائش و آرام کے وسائل سے فائدہ اُٹھانا منسوخ کر دیا جائے تو اللہ کی مخلوق تہی دست اور مفلوک الحال ہو جائے گی۔ شکر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کیا جائے اور صبر یہ ہے کہ بندہ راضی بہ رضا رہے اور جب بندے شکر کا کفران کرتے ہیں اور صبر سے خود کو آراستہ نہیں کرتے تو ان کے دلوں میں دنیا کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے، اس دنیا کی محبت جو عارضی اور فانی ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ عارضی اور فنا ہو جانے والی دنیا کو مقصدِ زندگی قرار دے لیا جائے۔ خدا چاہتا ہے کہ انسان سکون کے گہوارے میں اَبدی زندگی تلاش کرے اور دنیا کے تمام ساز و سامان اور وسائل کو راستے کا گرد و غبار سمجھے۔

اگر تم سعادت مند ہو تو شر سے بچتے رہو کہ اللہ بچنے والوں پر ہمیشہ رحم کرتا ہے۔ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر دو۔ اور بے جا خرچ نہ کرو کہ دولت اڑانے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ شیطان اللہ کا باغی ہے۔ اگر تم تہی دست ہو اور کچھ نہیں دے سکتے لیکن خدا کی رحمت کی اُمید ضرور رکھتے ہو تو ان لوگوں کو نرمی سے ٹال دو۔ تم نہ کنجوس بنو اور نہ اتنے فضول خرچ کہ کل نادم ہونا پڑے اور لوگ تمہیں طعنے دیں۔

وعدوں کو پورا کرو کہ وعدوں سے متعلق باز پُرس کی جائے گی۔ جب ناپو تو پورا

ناپو۔ پورے اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہ خیر ہے۔ اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ کسی ایسی خبر کے پیچھے مت چل پڑا کرو جس کے متعلق تم کو یقینی علم حاصل نہ ہو اس لئے کہ کان، آنکھ اور دل سب کے متعلق ہم جواب طلب کریں گے۔ زمین پر اکڑ کر مت چلو کہ تم نہ تو ہماری زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ بلندی میں پہاڑوں کے برابر ہو سکتے ہو۔ یہ وہ حرکات ہیں جنہیں ہم سخت ناپسند کرتے ہیں۔

روح کی آنکھیں

وسائل کی کمی، جنگ و جدل، ظلم و ستم و بربریت، فتنہ و فساد، قدرتی عذابوں کی تباہ کاریاں اور موت کے ان دیکھے شکنجوں میں مقید ہو کر دولت و حشمتِ دنیا سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانے کی ہیبت یا روز بروز کے بڑھتے ہوئے سماجی اور سیاسی، انفرادی یا اجتماعی مسائل کا خوف ــــ ہر صورت میں سطحی تدبیروں اور بے جا ہتھکنڈوں میں وقت ضائع کئے بغیر ان کے اصل اسباب و وجوہات معلوم کر کے اپنی تمام تر روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان کے حل کے لئے صحیح خطوط پر قدم بڑھائیں۔ اس کو قرآن پاک میں صراطِ مستقیم کہا گیا ہے جو یقیناً کامیابی کی راہ ہے۔

(اے اللہ تعالیٰ!) آپ ہمیں سیدھا راستہ دکھائیے، ان لوگوں کا راستہ جن کو آپ نے اپنے انعام سے نوازا۔ مغضوب اور معتوب لوگوں کے راستوں سے بچائیے۔ (الفاتحہ)

مخلوق کی اس استدعا کا جواب اللہ نے یوں دیا:

اور تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اور خدا تو بہت

خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔ (سورہ الشوریٰ)

اور تم سب مل کر خدا کی طرف پلٹو، اے مومنو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اپنی ہی کرتوتوں کی ہیبت ناک دلدل میں اور اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے ان دیکھے شکنجوں میں مقید قوم یا فرد جب اپنے رب سے عہدِ وفا استوار کرتا ہے اور اپنے کرتوتوں پر نادم ہوتا ہے اور اپنی نااہلی کا اقرار کرتا ہے، اپنے رب کے آگے گڑگڑاتا ہے اور اتنا روتا ہے کہ آخر کار اس کی روح کا سارا نظام ساری کثافتوں سے دھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم یا ایسے فرد سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے کو قرآن پاک کی زبان میں توبہ کہا گیا ہے۔ اور یہی توبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ یہی دین و دنیا کے تمام مسائل کے حل اور ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہنے کا واحد اور حقیقی علاج ہے۔

دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانیئے۔ دل و دماغ، احساسات و جذبات، افکار و قیادت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دوسری تمام صلاحیتوں کو مجتمع کر کے اپنے رب کی طرف یکسوئی اور دھیان سے متوجہ ہو جائیے۔ دوسروں کے لئے اپنی زندگی کو عشق و وفا کی چلتی پھرتی، منہ بولتی تصویر اور نمونہ بنا دیجئے۔ بلاشبہ ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی صف میں شامل کر لیتا ہے جس کا مشاہدہ روح کی آنکھیں اور روحانی لوگ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان مخصوص بندوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں شامل ہونے کے بعد انسان کا دل، دماغ اور نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں پر اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمتوں، برکتوں اور انوار و تجلیات کی بارش فرماتا ہے۔

آدمی اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے، اپنی پیشانی کو اپنے حقیقی معبود اور مالک کے سامنے جھکا دیتا ہے۔

دوسری اقوام کے سامنے سر کو جھکا کر نہ صرف خود کو ذلیل کرتا ہے بلکہ اپنے قومی وقار کو مجروح کرتا ہے۔

آئیے! اس کا سراغ لگائیں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جنہوں نے دشمنوں کو آپ پر حاکم اور آپ کو ان کا محکوم اور غلام بنا دیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ دنیا کی محبت

۲۔ مرنے کا خوف

ایک باہمت بہادر انسان (مسلمان) جس کا دل اپنے رب کی محبت میں سرشار ہے، کسی بھی حال میں حالات کے آگے سرنگوں نہیں ہوتا۔ دنیا کی محبت اُسے دامن گیر نہیں ہوتی اور موت کے کرخت وجود کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ مسکراتا ہے۔ تاریخ میں ایسے بے شمار افراد کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے جامِ شہادت اس طرح ہنستے مسکراتے پی لیا جیسے کوئی شہد کا پیالہ ہو۔

یاد رکھیئے! ان اجتماعی کمزوریوں کا سدِّباب کریں۔ بزدلی اور احساس کمتری کا شکار ہو کر کسی بے بس پرندے کی طرح دشمنوں کے جال میں گرفتار نہ ہوں۔ دشمنوں کا خوف خیانت کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کے باعث قحط پڑتا ہے جہاں ناحق فیصلے ہوں گے وہاں جھگڑا، فتنہ و فساد، خون ریزی ضرور ہوگی، بدعہد قوم پر

اس کے دشمن ہر حال میں اپنا تسلط جما لیتے ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور کس حال میں کھڑے ہیں اور فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے الفاظ میں اس طرح اپنے رب کے حضور دُعا کریں۔

ترجمہ: پاک و برتر ہے اللہ، بادشاہِ حقیقی، عیبوں سے پاک، اے فرشتوں اور جبرائیل کے پروردگار، تیرا ہی رعب اور دبدبہ آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے۔ خدایا خدایا! تو ہی ہماری عزت و آبرو کی حفاظت کر اور خوف و ہراس سے امن عطا فرما!

سُوکھی ٹہنی

ظلم و بربریت اور فتنہ و فساد کی ہیبت ہو یا قدرتی عذابوں کی تباہ کاریوں کا خوف، ہر حال میں بصیرت کے ساتھ اس کے اصل اسباب کا سراغ لگائیے اور سطحی تدبیروں پر وقت ضائع کرنے کی بجائے کتاب و سنّت کے مطابق اپنی تمام صلاحیتوں کو کام میں لا کر صراطِ مستقیم پر قدم بڑھا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے:

"اور تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اور خدا تو بہت خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔"

قرآن پاک نے اس کا علاج بھی بتایا ہے:

"اور تم سب مل کر خدا کی طرف پلٹو، اے مومنو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

گناہوں کی ہیبت ناک دلدل میں پھنسی ہوئی اُمت جب اپنے گناہوں پر نادم

ہو کر خدا کی طرف پھر جذبۂ بندگی کے ساتھ پلٹتی ہے اور اشکہائے ندامت سے اپنے گناہوں کی گندگی دھو کر پھر خدا سے عہد وفا استوار کرتی ہے تو اس کیفیت کو قرآن توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور توبہ ہی ہر طرح کے فتنہ و فساد اور خوف و دہشت سے محفوظ ہونے کا حقیقی علاج ہے۔

حضورِ قلب کے ساتھ خدا کو یاد کیجئے۔ دل و دماغ، احساسات، جذبات، افکار و خیالات ہر چیز سے پوری طرح خدا کی طرف رجوع ہو کر یکسوئی اور دھیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کیجئے اور ساری زندگی کو تعلق اللہ کا نمونہ بنایئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سوکھی ٹہنی کو زور زور سے ہلایا سب پتّے ٹہنی ہلانے سے جھڑ گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا، صلوٰۃ قائم کرنے والوں کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس سوکھی ٹہنی کے پتّے جھڑ گئے اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

"اور نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور کچھ رات گئے پر۔ بلاشبہ عمل خیر برائیوں کو مٹا دیتا ہے، یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے۔"

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم ہو جانے سے انسان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر سکون کی بارش برستی رہتی ہے۔ روحانیت میں قیامِ صلوٰۃ کا ترجمہ ربط قائم کرنا ہے یعنی اپنے اللہ سے ہر حال اور ہر حرکت میں تعلق اور ربط قائم رکھا جائے۔ نماز کے ذریعے خدا سے قربت حاصل کیجئے۔ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس کے حضور سجدہ کرتا ہے۔

پُرخلوص دل

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی نیابت عطا فرمائی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ زمین پر فساد پھیلائے گا۔ یہ بتانے کے لئے کہ آدم کے اندر شر اور فساد کے ساتھ فلاح و خیر کا سمندر بھی موجزن ہے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا کہ ہماری تخلیقی صفات بیان کرو۔ جب آدمؑ نے تخلیقی صفات اور تخلیق میں کام کرنے والے فارمولے (اسماء) بیان کئے تو فرشتے برملا پکار اُٹھے:

"پاک اور مقدّس ہے آپ کی ذات، ہم کچھ نہیں جانتے مگر جس قدر علم آپ نے ہمیں بخش دیا ہے۔ بے شک و شبہ آپ ہی کی ذات علیم اور حکیم ہے۔"

تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائناتی پروگرام دو طرزوں (خیر و شر) پر بنایا ہے، اس لئے کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا اس کی تردید نہیں کی گئی ہے۔ بات کچھ یوں بنی کہ آدم کو جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم منتقل نہیں ہوتا وہ سرتاپا شر اور فساد ہے اور تخلیق کا علم منتقل ہونے کے بعد وہ سراپا خیر ہے۔

آدمؑ کے وجود سے پہلے فرشتے موجود تھے جن میں شر اور فساد نہیں ہے پس ایک مخلوق پیدا کی گئی جس میں شر اور خیر دونوں عناصر پورے پورے موجود ہیں تاکہ یہ مخلوق شر کو نظر انداز کرے، خیر کا پرچار کرے۔ خود بھی خیر (صراطِ مستقیم) پر قائم رہے اور اپنے بھائی بہنوں کو بھی دعوت دے۔ یہی وہ دعوت ہے جس کو عام کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے اور یہی وہ دعوت ہے جو تبلیغ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کیجئے ایسے طریقے پر جو انتہائی بھلا ہو۔"

قرآنِ پاک کی ان آیات سے ہمیں تین اصولی ہدایات ملتی ہیں :-

۱۔ شر سے محفوظ رہنے اور خیر کو اپنانے کے لئے دعوت حکمت کے ساتھ دی جائے

۲۔ نصیحت ایسے انداز میں نہ کی جائے جس سے دل آزاری ہوتی ہو۔ نصیحت کرتے وقت چہرہ بشاش ہو، آنکھوں میں محبت اور یگانگت کی چمک ہو، آپ کا دل خلوص سے معمور ہو۔

۳۔ اگر کوئی بات سمجھاتے وقت بحث و مباحثہ کا پہلو نکل آئے تو آواز میں کرختگی نہ آنے دیں۔ تنقید ضروری ہو جائے تو یہ خیال رکھیں کہ تنقید تعمیری ہو، دلسوزی اور اخلاق کی آئینہ دار ہو۔ سمجھانے کا انداز ایسا دل نشیں ہو کہ مخاطب میں ضد، نفرت، تعصب اور جاہلیت کے جذبات میں اشتعال پیدا نہ ہو اور اگر مخالف کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہونے لگے تو فوراً اپنی زبان بند کر لیجئے کہ اس وقت یہی اس کے حق میں خیر ہے۔

تبلیغ

" اس کتاب میں ابراہیم کے قصے یاد کیجئے، بلاشبہ وہ ایک سچے نبی تھے۔ جب انہوں نے اپنے والد سے کہا، بابا جان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہیں؟ بابا جان! میرے

پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے۔ آپ میرے کہے پر چلیں، میں آپ کو سیدھی راہ چلاؤں گا۔ بابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو بڑا نافرمان ہے، بابا جان! مجھے ڈر ہے کہ رحمان کا عذاب آ پکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔

باپ نے کہا، ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے پھر گئے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا، اور جاؤ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔

ابراہیم نے کہا، آپ کو میرا سلام ہے، میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کی بخشش فرما دے، بے شک میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کرتا ہوں اور ان ہستیوں سے بھی جن کو خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ مجھے امید ہے میں اپنے رب کو پکار کر ہرگز نامراد نہ ہوں گا۔"

(سورۂ مریم ۴۱ - ۴۸)

اللہ کے پیغام کو پہنچانے اور ہر قسم کی قربانی کے لئے اپنے اندر ہمت و عزم پیدا کر کے خدا کی راہ میں وقت اور پیسہ خرچ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے صعوبتیں برداشت کرنا اور لوگوں تک اللہ اور اس کے رسول ؐ کا پیغام پہنچا دینا اُمتِ مسلمہ پر فرض اور ان نعمتوں کا شکر ہے جو اللہ ہمارے رب نے ہمیں دی ہوئی ہیں۔ جب کوئی بندہ اپنی تمام تر روحانی اور جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ نوعِ انسانی کو صراطِ مستقیم کی دعوت دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا خصوصی تعاون حاصل ہو جاتا ہے اور فرشتے اس بندہ کے جذبۂ صادق کو اپنے ترغیبی پروگراموں میں شامل کر لیتے ہیں لیکن تبلیغ اس شخص کو زیب دیتی ہے جس کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہوں اور وہ خود بھی راہِ حق کا سچا اور پُرعزم

مسافر نہ ہو۔

راہِ حق کے سچے مسافر کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

مشعلِ راہ

اُس نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے اور دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اس نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلے میں کہ رسول تمہارے دینِ حق کی شہادت دیں اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دینِ حق کی شہادت دو۔ (قرآن کریم)

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک "اُمتِ وسط" بنایا تاکہ تم سارے انسانوں کے لئے دینِ حق کے گواہ بنو اور ہمارے رسول تمہارے لئے گواہ ہوں۔ (البقرہ)

مسلمانو! خدا نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی وصیّت اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی اے رسول! ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (الشوریٰ)

تم خیر اُمت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور خدا پر کامل ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا وہ دین اس کا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا۔ (آل عمران)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور خدا کے نزدیک دین تو بس اسلام ہے۔ اسلام کی تع[illegible]ات حاصل کرکے اپنے اندر بصیرت پیدا کیجئے۔ یقین رکھئے خدا کے نزدیک دین سلامتی اور راست بازی کا دین ہے۔ دینِ حق اسلام کو چھوڑ کر جو طریقہ بندگی بھی اختیار کیا جائے گا، خدا کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزّت کے ہاں وہی دین صحیح دین ہے جو قرآن میں بالوضاحت بیان کر دیا گیا ہے۔ اور جس کی عملی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ لوگوں کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں نے جو راہ اپنائی ہے سوچ سمجھ کر پوری بصیرت کے ساتھ اپنائی ہے۔

اے رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اور میرے پیچھے چلنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور خدا ہر عیب سے پاک ہے اور میرا اُن سے کوئی واسطہ نہیں جو خدا کے ساتھ شریک کر رہے ہیں۔ (سورۂ یوسف)

دین اسلام کے نصب العین کی عظمت و اہمیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھ کر اس کے اصولوں پر قائم رہیئے کہ یہی وہ عظیم کام ہے جس کے لئے خدا کی طرف سے ہمیشہ انبیاء آتے رہے ہیں۔ یہی وہ عطا ہے جو دونوں جہان کی عظمت و سربلندی کا سرمایہ ہے۔

تخلیقی فارمولے

[illegible]ن پاک ایک ایسی کتاب ہے جس میں [illegible]ک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت [illegible] ہے جو [illegible] اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے

ہیں اور یقین کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کے اندر کی نظر کھل جاتی ہے اور غیب اس کے لئے مشاہدہ بن جاتا ہے۔ جب تک مشاہدہ عمل میں نہ آئے یقین کی تعریف پوری نہیں ہوتی۔ قرآنِ پاک ایک ایسی یقینی دستاویز ہے جس دستاویز میں معاشرتی قوانین کے ساتھ ساتھ ایسے فارمولے درج ہیں جن کے اوپر تسخیرِ کائنات کا دارومدار ہے۔ ان فارمولوں میں اس بات کی پوری وضاحت موجود ہے کہ ہم علم الکتاب حاصل کرکے زمان و مکان یعنی TIME AND SPACE کی گرفت کو توڑ سکتے ہیں۔ قرآنِ پاک کے علوم کو جاننے والا اور سمجھنے والا کوئی بندہ بغیر وسائل کے خلا میں پرواز کرنے اور ایک جگہ سے دور دراز دوسری جگہ کسی چیز کو منتقل کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یہی بندہ اللہ کا انعام یافتہ ہوتا ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں موجود تمام اشیا اس کے لئے مسخر ہوتی ہیں۔

رُوئے زمین پر انسان کو اگر ہدایت مل سکتی ہے تو صرف اللہ کی کتاب قرآن پاک سے مل سکتی ہے۔

قرآنِ کریم کو اس عزم، اس ولولہ اور اس ہمت کے ساتھ پڑھیے کہ اس کی نورانی کرنوں سے ہمیں اپنی زندگی سنوارنی ہے۔ قرآن آئینے کی طرح آپ کے اندر ہر ہر داغ اور ہر دھبّا نمایاں کرکے پیش کرتا ہے۔ قرآن ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کردی گئی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ قرآنِ پاک میں بیان کردہ نعمتوں سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی برکت والی ہے تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

توبہ

خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کیجئے۔ اس ہی کے سامنے گڑگڑائیے اور اسی عفو و درگزر کرنے والی ستّارُالعیوب، غفّارالذّنوب ہستی کے سامنے اپنی عاجزی، بے کسی اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کیجئے۔ عجز و انکساری خطا کار انسان کا وہ سرمایہ ہے جو صرف خدا کے حضور پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قیمتی اور انمول سرمایہ کو اپنے ہی جیسے مجبور و بے کس انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو وہ دیوالیہ ہو جاتا ہے اور ذلیل و رُسوا ہو کر دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ عزّت کی روشن کرنیں ذلّت کی کثافت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

توبہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں فی الواقع آدمی اپنی نفی کر دیتا ہے اور اپنے پروردگار کے سامنے وہ سب کہہ دیتا ہے جو وہ کسی کے سامنے نہیں کہہ سکتا۔ بے شک اللہ ہمارا محافظ اور رحم ساز ہے۔ اس کی رحمتیں ہمارے اوپر بارش بن کر برستی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

"اور آپ کا پروردگار گناہوں کو ڈھانپنے والا اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو فوراً پکڑنے لگے تو عذاب بھیج دے مگر اس نے (اپنی رحمت سے) ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور یہ لوگ بچنے کے لئے اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے۔" (الکہف)

"اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے اور وہ سب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔" (الشوریٰ)

صحیح طرزِ فکر یہ ہے کہ بندے سے خواہ کیسے بھی گناہ کیوں نہ ہو جائیں اس کا کام یہ ہے کہ وہ خدا ہی کے حضور خشوع و خضوع اور ندامت کے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرے۔ کوئی دروازہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں سے وہ سب کچھ مل جائے جس کی بندہ کو ضرورت ہے۔ صرف اللہ کی ذات ایسی یکتا اور غنی ہے کہ بندہ روزانہ لاکھوں خواہشات بھی اللہ کے ساتھ وابستہ کرے تو اللہ ان کو پورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اللہ، ہمارا پیارا اللہ، ہر وقت اپنی مخلوق کی خدمت میں مصروف ہے۔ بندوں کے وسائل کی فراہمی ایک ضابطے اور ایک قانون کے تحت ہے۔ ہمارا بڑھنا گھٹنا، صحت یاب ہونا اللہ کے کرم کی وجہ سے ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

"اے مومنو! خدا کے آگے سچی اور خالص توبہ کرو۔ اُمید ہے تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو تم سے دُور فرما دے گا۔ اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ اس دن خدا اپنے رسول کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لاکر ان کے ساتھی بن گئے ہیں رُسوا نہیں کرے گا۔"

گناہوں کی ہیبت ناک دلدل میں پھنسی ہوئی کوئی قوم جب اپنے گناہوں پر نادم اور اشک بار ہو کر خدا کی طرف جذبۂ بندگی کے ساتھ پلٹتی ہے اور اپنی لغزشوں، کوتاہیوں، چھوٹی بڑی خطاؤں کی گندگی کو ندامت کے آنسوؤں سے دھو کر پھر خدا سے عہدِ وفا اُستوار کرتی ہے تو اس والہانہ طرزِ عمل کو قرآن توبہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور یہی توبہ استغفار ہر طرح کے فتنہ و فساد، خوف و دہشت اور عدم تحفظ

کے احساس سے محفوظ رہنے کا حقیقی علاج ہے اور اگر اس کے برخلاف بندہ گناہوں اور کوتاہیوں کی طرف توجہ نہیں دیتا، یہ شیطانی عمل آدمی کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور دین و دنیا میں رسوائیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں اور پھر جب یہ عمل اس کی زندگی پر محیط ہو جاتا ہے تو آدم زاد کے قلوب پر، کانوں پر مہر لگادی جاتی ہے اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور یہ انتہائی صورت بے شبہ عذابِ الیم ہے اور یہ عذاب مایوسی، بدحالی، خوف و ہیبت بن کر اس کے اوپر مسلط ہو جاتا ہے۔

سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اور خدا تو بہت سی خطاؤں سے درگزر کرتا رہتا ہے۔"

قرآن پاک میں اس کا علاج بھی بتا دیا گیا ہے:

"اور تم سب مل کر خدا کی طرف پلٹو، اے مومنو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

جس قوم میں خیانت اور بے ایمانی در آتی ہے اس قوم کے دلوں میں دشمن کا خوف بیٹھ جاتا ہے، وہ وسوسوں اور توہمات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ کا رواج ظاہراً طور پر کتنا ہی خوش نما نظر آئے لیکن بالآخر اس کا نتیجہ قحط اور فاقہ کشی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

توبہ استغفار کے ساتھ اپنے اللہ خالقِ حقیقی کی طرف رجوع ہو کر یہ عزم کیجئے کہ ہم اپنے اور ملت کے اندر سے ان روگوں کو ختم کر کے دم لیں گے۔

☆

بھلائی کا سرچشمہ

خدا کے دین کو چھوڑ کر جو طریق بھی اختیار کیا جائے گا، خدا کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اللہ رب العزت کے لئے یہی دین مقبولِ بارگاہ ہے جس کا تذکرہ قرآنِ پاک میں بالوضاحت کیا گیا ہے۔ اور جس کا عملی تفسیر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں پیش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں نے جو راہ بھی اپنائی ہے، سوچ سمجھ کر پوری بصیرت کے ساتھ اپنائی ہے۔

"اے رسول! آپ ان سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اور میرے پیچھے چلنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور خدا ہر عیب سے پاک ہے اور میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں جو خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔"

"اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا اس کا وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا۔"

"اور خدا کے نزدیک دین تو بس اسلام ہی ہے۔" قرآن

اُمتِ مسلمہ کو خدا نے دین کی جو دولت عطا کی ہے یہی دونوں جہان کی عظمت و سربلندی کا سرمایہ ہے۔ بھلا اس کے مقابلے میں دنیا کی دولت اور شان و شوکت کی کیا قدر و قیمت ہے جو چند روزہ اور فانی ہے۔

قرآن اہلِ کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:-

"اے اہلِ کتاب! تم کچھ نہیں ہو جب تک تم تورات اور انجیل اور دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب نے نازل فرمائی ہیں۔" قرآن

بلاشبہ صحیح فہم کے ساتھ دین کی حکمت ہی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور جو شخص اس چیز سے محروم ہے وہ دونوں جہان کی نعمتوں اور سعادتوں سے محروم ہے۔ اس کی زندگی میں کبھی طمانیت اور سکون داخل نہیں ہوتا۔

اللہ کے مشن (دین) کو پھیلانا ہر اُمتی پر فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے پہلے خود اپنا عرفان حاصل کریں۔ خود آگاہی اور اپنی ذات کا عرفان ایسی روحانی کامیابی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی دعوت کا سچا نمونہ بن جاتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے عمل و کردار سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی، دینی اور روحانی مشن کو عام کرنے کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو پہلے خود اس کی مثال قائم کرتا ہے۔ خدا کو یہ بات انتہائی ناگوار گزرتی ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے عمل ہوں۔ نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے بے عمل دعوت دینے والوں کو انتہائی ہولناک عذاب سے ڈرایا ہے۔

عظیم احسان

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی بار والدین کی اطاعت اور خدمت گزاری کی پرزور تلقین کی ہے۔ جب ہم والدین کے مقام و مرتبہ پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ خالق نے والدین کو عظیم نعمت بنایا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماں باپ قدرت کی تخلیق کے

ایک کارکن ہیں اور عملِ تخلیق میں ایک ذریعہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ماں باپ کو ذریعہ بنا کر کسی آدمی کو اس آب و گل کی دنیا میں پیدا فرماتے ہیں۔ یہی واسطہ اور ذریعہ وہ امر ہے جو والدین کی عزت اور تعظیم کا سبب بنتا ہے۔

ماں باپ اولاد کی تمنا کرتے ہیں اور پھر ماں مہینوں ایک نئی زندگی کو اپنے وجود میں پروان چڑھاتی ہے۔ نئی زندگی اس کے جسم کے اجزا سے نشو و نما پاتی ہے اور اس طرح اس کے جسم کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ پھر پیدائش کے بعد بھی اولاد اور ماں کا رشتہ نہیں ٹوٹتا اور ماں ہر وقت اولاد کی خدمت پر کمربستہ رہتی ہے۔ خود رات دن تکلیفیں اٹھاتی ہے لیکن اولاد کے آرام و آسائش میں کمی نہیں آنے دیتی۔ اولاد کو ذرا سی تکلیف میں دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے اور اس کا تدارک کرتی ہے۔ دوسری طرف باپ رزق کے حصول کے لئے صبح سے نکلتا ہے اور شام کو گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اپنی پوری توانائی سے اولاد کے سامانِ خورد و نوش کا انتظام کرتا ہے۔

یہی وہ عظیم احسانات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ حقوق اللہ کے فوراً ہی بعد حقوقِ والدین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

" اور آپ کے رب نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو"

ان تمام باتوں کے پیشِ نظر والدین کے آگے فرماں برداری، احترام اور محبت کو ہمیشہ ملحوظ رکھیئے اور کوئی ایسی بات نہ ہونے دیجئے جو انہیں ناگوار گزرے یا جس سے اُن کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ بڑھاپے کی عمر ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے جب آدمی کو اپنی ناتوانی کا احساس ہونے لگتا ہے اور معمولی سی بات بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ والدین کی خدمتگزاری

میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دیجئے۔ کوئی بات ایسی نہ ہو جو اُن کے لئے ناگواری کا سبب بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

" اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو تم اُن کو اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکیاں دو"

طرزِ فکر

طرزِ گفتگو میں آدمی کی شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔ خوش آواز آدمی کے لئے اس کی آواز تسخیر کا کام کرتی ہے۔ جب بھی کسی مجلس میں یا نجی محفل میں بات کرنے کی ضرورت پیش آئے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کیجئے۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہنی چاہیئے کہ ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ریکارڈ ہوتا ہے۔ آدمی جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے فرشتے اُسے ماورائی کیمرے میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

مسکراتے ہوئے، نرمی کے ساتھ، میٹھے لہجے اور درمیانی آواز میں بات کرنے والے لوگوں کو اللہ کی مخلوق عزیز رکھتی ہے۔ چیخ کر بولنے سے اعصاب میں کھنچاؤ (TENSION) پیدا ہوتا ہے اور اعصابی کھنچاؤ سے بالآخر آدمی دماغی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مخاطب یہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر رُعب ڈالا جا رہا ہے اور وہ اس طرزِ کلام سے بددل اور دُور ہو جاتا ہے، اس کے اندر خلوص اور محبت کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔

شیریں مقال آدمی خود بھی اپنی آواز سے لطف اندوز اور سرشار ہوتا ہے اور دوسرے بھی مسرور و شاداں ہوتے ہیں۔ اچھی، میٹھی اور سحر کن آواز سے اللہ میاں بھی

خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

"سب سے زیادہ کریہہ اور ناگوار آواز گدھے کی آواز ہے۔"

آدابِ گفتگو میں باتوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ بُری باتوں اور گالم گلوچ سے زبان گندی نہ کیجئے۔ چغلی نہ کھائیے۔ چغلی کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی بھائی اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہو۔ دوسروں کی نقلیں نہ اتاریئے۔ اس عمل سے دماغ میں کثافت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ شکایتیں نہ کیجئے کہ شکایت محبت کی قینچی ہے۔ کسی کی ہنسی نہ اُڑائیے کہ اس سے آدمی احساسِ برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور احساسِ برتری آدمی کے لئے ایسی ہلاکت ہے جس ہلاکت میں ابلیس مبتلا ہے۔ اپنی بڑائی نہ جتائیے۔ اس عمل سے اچھے لوگ آپ سے دُور ہو جائیں گے۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنے والے منافق آپ کا گھیراؤ کرلیں گے اور ایک روز آپ عرش سے فرش پر گر جائیں گے۔ فقرے نہ کسئے، کسی پر طنز نہ کیجئے، بات بات پر قسم نہ کھائیے۔ یہ عمل آپ کے کردار کو گہنا دے گا اور آپ لوگوں کی محبت سے محروم ہو جائیں گے۔

حج

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں :

"اور لوگوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا سارے جہاں والوں سے بے نیاز ہے۔"

"اور نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش

میں احترام والے گھر کی طرف جا رہے ہیں۔"

"حج اور عمرے کو محض خدا کی خوشنودی کے لئے پورا کرو۔"

"اور سفرِ حج کے لئے زادِ راہ ساتھ لو اور سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔"

"وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اور لڑائی جھگڑے کی باتیں نہ ہوں۔"

"پھر جب تم حج کے تمام ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے اسی طرح اب خدا کا ذکر کرو بلکہ اس سے بڑھ کر۔"

حج کا سفر کرنے والا مسافر خدا کا خصوصی مہمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حج کے ذریعے دونوں جہان کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور سعید لوگ کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ حج ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان خدا کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ بندہ حجرِ اسود پر ہاتھ رکھ کر اس عہد کی تجدید کرتا ہے جو اس نے عالمِ ارواح میں اپنے رب کے سامنے "قالو بلیٰ" کہہ کر اپنی بندگی اور خالق کے سامنے مخلوق ہونے کا اقرار کیا تھا۔ بندہ دورانِ حج ہر اس بات پر عمل کرتا ہے جو اس کے لئے سرمایۂ آخرت ہے۔ مخلوق کے اژدہام میں، سفر کی صعوبتوں اور زحمتوں میں، قدم قدم پر ٹھیس لگنے کے باوجود فراخدلی اور ایثار سے کام لیتا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ عفو و درگزر اور فیاضی کا برتاؤ کرتا ہے اور اس سے برملا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پابندی ہوتی ہے وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔

حج کے زمانے میں ہوائی باتوں سے بچنے کی ہدایت اور نفس و شیطان سے خود کو محفوظ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر آپ کے ساتھ شوہر یا بیوی ہم سفر ہے تو نہ صرف یہ کہ مخصوص تعلقات قائم نہ کریں بلکہ ایسی باتوں سے بھی بچتے رہیں جو شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ قادرِ مطلق رحیم و غفور رب العالمین نے فرمایا ہے :

حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہیئے کہ حج کے دوران شہوانی باتیں نہ ہوں۔"

احرام باندھنے کے بعد، ہر نماز کے بعد، ہر بلندی پر چڑھتے وقت اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت اور ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر صبح کو نیند سے بیدار ہو کر حاجی حضرات تلبیہ پڑھتے ہیں۔

آیئے ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو کر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ

میں حاضر ہوں، خدایا میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بیشک ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے، نعمت تیری ہی ہے، ساری بادشاہی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

شیریں آواز

خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کریں، بے غرض اور لاگ کے بغیر خرچ کریں۔ یہ آرزو ہرگز نہ رکھیئے کہ جن لوگوں کی آپ نے اللہ کے لئے مدد کی ہے وہ آپ کے مشکور اور احسان مند ہوں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا کوئی فخر و مباہات کی بات نہیں ہے۔ یہ تو محض اللہ کا فضل ہے کہ اس نے آپ کو اس قابل بنا دیا ہے کہ آپ کا ہاتھ اوپر ہے۔ جس بھائی کی آپ مدد کر رہے ہیں وہ بھی آپ کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے اندر بھی وہی جذبات و احساسات ہیں جو آپ کے اندر ہیں۔ اگر وہ روٹی کھانے اور کپڑا

پہننے پر مجبور ہے تو آپ بھی روٹی اور کپڑے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ کچھ نہیں ہیں۔ آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کے بعد غریبوں کی خودداری کو ٹھیس لگانا اور ان سے اپنی برتری تسلیم کرانا، احسان جتا کر ٹوٹے ہوئے دلوں کو دکھانا بدترین گھناؤنے جذبات ہیں۔ وہ اللہ جس نے آپ کو اس قابل بنایا کہ آپ دوسروں کی مدد کریں، فرماتا ہے:

"مومنو! اپنے صدقات اور خیرات کو احسان جتا جتا کر اور غریبوں کا دل دکھا کر اس آدمی کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔"

اس انعام کا شکر ادا کرنے کے لئے کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں آسانی اور سہولت دی ہے اور ہمیں دنیاوی آسائشیں عطا کی ہیں، کشادہ دلی اور شوق کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔ تنگ دل اور خرچ پر کڑھنے والے لوگ فلاح و کامرانی کے مستحق نہیں ہوتے۔ جو آدمی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تڑپ رکھتا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا فضل اس پر عام نہ ہو—!

قرآن پاک میں ہے:-

تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ مال خدا کی راہ میں نہ دے دو جو تمہیں عزیز ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ اچھی طرح حساب لگا کر پوری پوری رقم ادا کیجئے۔ اپنے اوپر بوجھ سمجھ کر دوسروں کے سپرد نہ کر دیجئے۔ ان لوگوں کو تلاش کیجئے جو فی الواقع زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

دو بیویاں

عورتوں کو چاہیئے کہ وہ دین کے احکام اور تہذیب سیکھیں۔ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں۔ ہر ممکن کوشش کریں کہ وہ ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں ثابت ہوں۔ خدا کی فرماں بردار بندی بن کر اپنے فرائض بہ حسن و خوبی انجام دیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

"ایمان والو! اپنے آپ کو، اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

حضرت عمرؓ رات کے وقت خدا کے حضور حاضر ہوتے، پھر جب سحر کا وقت آتا تو اپنی رفیقۂ حیات کو جگاتے اور کہتے اٹھو اٹھو، نماز قائم کرو اور یہ آیت تلاوت فرماتے:

"—— اور اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کیجئے اور خود بھی اس کے اوپر پابند رہیئے۔"

خواتین کے لئے ضروری ہے کہ صفائی، سلیقہ اور آرائش و زیبائش کا پورا پورا اہتمام کریں اور گھر کو صاف ستھرا رکھیں، گھر میں چیزوں کو سلیقے سے سجائیں اور سلیقے سے استعمال کریں۔ صاف ستھرا گھر، قرینے سے سجے ہوئے صاف ستھرے کمرے، پاک صاف باورچی خانہ، گھریلو کاموں میں سلیقہ اور سگھڑپن، بناؤ سنگھار کی ہوئی بیوی کی پاکیزہ مسکراہٹ سے نہ صرف گھریلو زندگی پیار و محبت اور خیر و برکت سے مالا مال ہوتی ہے بلکہ یہ خدا کو خوش کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

ایک بار بیگم عثمان ابن مظعون سے حضرت عائشہؓ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ بیگم عثمان نہایت سادے کپڑوں میں ہیں۔ اور کوئی بناؤ سنگار بھی نہیں کیا ہے، تو حضرت عائشہؓ کو بڑا تعجب ہوا اور اُن سے پوچھا "بی بی! کیا عثمان کہیں سفر پر

گئے ہوئے ہیں؟"

حضرت عائشہؓ کے اس تعجب سے اندازہ ہوتا ہے کہ سہاگنوں کا اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کرنا کیسا پسندیدہ عمل ہے۔

بُردباری، تحمل اور حکمت کی روش یہ ہے کہ آدمی درگزر سے کام لے اور خدا پر بھروسا رکھتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ خوش دلی سے نباہ کرے۔ ہو سکتا ہے اللہ ربّ العزت اس عورت کے ذریعے مرد کو ایسی بھلائیوں سے نواز دے جن تک مرد کی پہنچ نہ ہو۔ دیندار عورت اپنے ایمان، سیرت اور اخلاق کے باعث پورے خاندان کے لئے رحمت بن جاتی ہے۔ اس کی ذات سے کوئی ایسی سعید رُوح وجود میں آسکتی ہے جو ایک عالم کے لئے مشعل راہ ہو۔ اچھی اور نیک خو بیوی مرد کی اصلاح حال کے لئے ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ بیوی خاوند کو جنت سے قریب کر دیتی ہے۔ اس کی قسمت سے دنیا میں خدا مرد کو رزق اور خوشحالی سے نوازتا ہے۔

عورت کے کسی ظاہری عیب کو دیکھ کر بے صبری کے ساتھ ازدواجی تعلق کو برباد نہ کیجئے۔ بلکہ حکیمانہ طرزِ عمل سے آہستہ آہستہ گھر کی مکدّر فضا کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہیں اور اس نے ان کے ساتھ انصاف اور برابری کا سلوک نہ کیا تو قیامت کے روز وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گر گیا ہو۔

خوش خلقی اور نرم مزاجی کو پرکھنے کا اصل میدان گھریلو زندگی ہے۔ گھر والوں سے ہر وقت واسطہ رہتا ہے اور گھر کی بے تکلف زندگی میں مزاج اور اخلاق کا ہر رُخ سامنے آجاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہی مومن اپنے ایمان میں کامل ہے جو گھر والوں کے ساتھ

خوش اخلاقی، خندہ پیشانی اور مہربانی کا برتاؤ رکھے۔ گھر والوں کی دل جوئی کرے اور پیار و محبت سے پیش آئے۔

ایک بار حج کے موقع پر حضرت صفیہ رضؓ کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپؐ رک گئے اور چادر کا پلّو لے کر دستِ مبارک سے اُن کے آنسو خشک کئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت صفیہ رضؓ کے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار ہو کر رو رہی تھیں۔

صراطِ مُستقیم

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی نیابت عطا فرمائی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ زمین پر فساد پھیلائے گا۔ یہ بتانے کے لئے کہ آدمؑ کے اندر شر اور فساد کے ساتھ فلاح و خیر کا سمندر بھی موجزن ہے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا کہ ہماری تخلیقی صفات بیان کرو۔ جب آدمؑ نے تخلیقی صفات اور تخلیق میں کام کرنے والے فارمولے (اسماء) بیان کئے تو فرشتے برملا پکار اُٹھے:

> پاک اور مقدس ہے آپ کی ذات، ہم کچھ نہیں جانتے، مگر جس قدر علم آپ نے ہمیں بخش دیا ہے۔ بے شک و شبہ آپ ہی کی ذات علیم و حکیم ہے۔

تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائناتی پروگرام دو طرزوں (خیر و شر) پر بنایا ہے، اس لئے کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا اُس کی تردید نہیں کی گئی۔

بات کچھ یوں بنی کہ آدمؑ کو جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم منتقل نہیں ہوتا وہ سرتاپا شر اور فساد ہے اور تخلیق کا علم منتقل ہونے کے بعد وہ سراپا خیر ہے۔

آدمؑ کے وجود سے پہلے فرشتے موجود تھے جن میں شر اور فساد نہیں ہے۔ پس ایک مخلوق پیدا کی گئی جس میں شر اور خیر دونوں عناصر پورے پورے موجود ہیں تاکہ یہ مخلوق شر کو نظر انداز کرے، خیر کا پرچار کرے۔ خود بھی خیر (صراطِ مستقیم) پر قائم رہے اور اپنے بھائی بہنوں کو بھی دعوت دے۔ یہی وہ دعوت ہے جسے عام کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے اور یہی وہ دعوت ہے جو تبلیغ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کیجئے ایسے طریقے پر جو انتہائی بھلا ہو۔

قرآنِ پاک کی اس آیت سے ہمیں تین اصولی ہدایات ملتی ہیں۔

۱۔ شر سے محفوظ رہنے اور خیر کو اپنانے کے لئے دعوت حکمت سے دی جائے۔

۲۔ نصیحت ایسے انداز میں نہ کی جائے جس سے دل آزاری ہوتی ہو۔ نصیحت کرتے وقت چہرہ بشاش ہو، آنکھوں میں محبت اور یگانگت کی چمک ہو، آپ کا دل خلوص سے معمور ہو۔

۳۔ اگر کوئی بات سمجھاتے وقت بحث و مباحثہ کا پہلو نکل آئے تو آواز میں کرختگی نہ آنے دیں۔ تنقید ضروری ہو جائے تو یہ خیال رکھیں کہ تنقید تعمیری ہو، دل سوزی اور اخلاص کی آئینہ دار ہو۔ سمجھانے کا انداز ایسا دل نشیں ہو کہ مخاطب میں ضد، نفرت، تعصب اور جاہلیت کے جذبات میں اشتعال پیدا نہ ہو اور اگر مخاطب کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کا

اظہار ہونے لگے تو فوراً اپنی زبان بند کر لیجئے کہ اس وقت یہی اس کے خیر میں ہے۔

دین کو پھیلانے کے ہمیشہ دو طریقے رائج رہے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر اس سے گفتگو کی جائے اور حُسنِ اخلاق سے اس کو اپنی طرف مائل کیا جائے، اس کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ کر تدارک کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر سے اپنی بات دور دور تک پہنچائی جائے۔ موجودہ دَور تحریر و تقریر کا دَور ہے۔ فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ زمین کا پھیلاؤ ایک گلوب (GLOBE) میں بند ہوگیا ہے۔ آواز کے نقطۂ نظر سے امریکہ اور کراچی کا فاصلہ ایک کمرہ سے بھی کم ہوگیا ہے۔ کراچی میں بیٹھ کر لندن امریکہ کی سرزمین پر اپنا پیغام پہنچا دینا روزمرہ کا معمول ہوگیا ہے۔ یہی صورتِ حال تحریر کی ہے۔ نشر و اشاعت کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ امریکہ یا دور دراز کسی ملک میں ٹائپ ہونے والی تحریر کراچی یا اسلام آباد میں اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ جیسے کراچی ہی میں لکھی جارہی ہے۔

تحریر قاری کے اوپر ایک تاثر چھوڑ دیتی ہے، ایسا تاثر جو ذہن کے اندر فکر و فہم کی تخم ریزی کرتا ہے اور پھر یہی فکر و فہم ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اپنی تحریر اور تقریر میں ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کیجئے۔ الفاظ کی نشست و برخاست ایسی ہو کہ سننے اور پڑھنے والے کے اوپر اُمید اور تعلقِ خاطر کی کیفیت طاری ہو جائے۔ خوف کو درمیان میں نہ لائیے کہ خوف پر مبالغہ آمیز زور دینے سے بندہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسے اپنی اصلاح اور نجات نہ صرف مشکل بلکہ محال نظر آنے لگتی ہے۔ تحریر میں ایسے الفاظ لکھئے جن میں رجائیت ہو۔ خدا سے محبت کرنے کا ایسا تصور پیش کیجئے کہ خوف کی جگہ ادب و احترام ہو تاکہ وہ خدا کی رحمت اور بخشش کو اس کے پورے ادب اور احترام

کے ساتھ قبول کرے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں:۔

بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو ایسے انداز سے خدا کی طرف دعوت دیتا ہے کہ خدا سے بندے مایوس نہیں ہوتے اور نہ ہی خدا کا ایسا تصور پیش کرتا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کی سزا سے بے خوف ہو جائیں۔

دین کی دعوت اور رُوحانی علوم کی اشاعت کے لئے تھوڑا کام کیجئے لیکن مسلسل کیجئے۔ لوگوں کو روحانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی دعوت دیجئے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات۔ تکالیف اور آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجئے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے:۔

بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔

ماں باپ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک آدمی آیا۔ اور اپنے باپ کی شکایت کرنے لگا کہ وہ جو چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں۔ نبیؐ نے اس آدمی کے باپ کو طلب فرمایا۔ لاٹھی ٹیکتا ہوا ایک بوڑھا اور کمزور شخص حاضرِ خدمت ہوا۔ آدمی نے جو شکایت کی تھی، آپؐ نے بوڑھے شخص کو بتائی۔ تو اس نے کہا۔

"خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک زمانہ تھا جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی۔ میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا۔ میں نے کبھی اس کو اپنی چیز لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست اور قوی ہے۔ میں خالی ہاتھ ہوں، اور یہ مال دار

ہے۔ اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کے رکھتا ہے۔"

بوڑھے باپ کی یہ باتیں سُن کر رحمتِ عالمؐ رو پڑے۔ اور بوڑھے کے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔"

ماں باپ اگر غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ ادب و احترام کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہیئے۔ البتہ اگر وہ شرک اور معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت سے انکار کر دیجئے۔

"اور اگر ماں باپ دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک بناؤ جس کا
تمہیں کوئی علم نہیں ہے تو ہرگز ان کا کہنا نہ مانو۔ اور دنیا میں ان کے
ساتھ نیک سلوک کرتے رہو۔"

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ نبیؐ کے عہدِ مبارک میں میرے پاس میری والدہ تشریف لائیں۔ اس وقت وہ مسلمان نہیں تھیں۔ میں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہیں اور وہ اسلام سے متنفر ہیں، کیا میں اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ تم اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرتی رہو۔"

باپ کے مقابلے میں ماں کے احسانات اور قربانیاں بہت زیادہ ہیں۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے ماں کا حق باپ سے زیادہ متعین کیا ہے۔ اور ماں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی خصوصی ترغیب دی ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

"اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے۔"

"اس کی ماں تکلیف اُٹھا کر اس کو پیٹ میں لیئے لیئے پھری اور اس نے

ولادت میں جان لیوا تکلیف برداشت کی اور پیٹ میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی یہ مدت ڈھائی سال ہے"

ماں باپ کی پرخلوص خدمات کا اعتراف کرنے اور ان کے احسانات کو یاد رکھنے کے لیئے دل سوزی اور رقت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور رحم و کرم کی درخواست گزاریئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور دعا کرو کہ پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں
نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔"

"اے پروردگار! جس رحمت و محبت، تکلیف اور جانفشانی سے
انہوں نے پرورش کی اور میری خاطر اپنے شب و روز میرے اوپر نثار
کر دیئے تو بھی ان کے حال پر نظرِ کرم فرما۔"

"اے خدا! اب یہ بوڑھاپے کی کمزوری اور بے بسی میں مجھ سے زیادہ خود
رحمت و شفقت کے محتاج ہیں۔ پروردگار میں ان کی خدمت کا کوئی بدلہ
نہیں دے سکتا۔ تو ہی ان کی سرپرستی فرما اور ان کے اوپر اپنی رحمتوں کی بارش فرما دیجئے"

محبت

دوستی ایسے لوگوں سے کیجیے جو انسانیت کے نقطۂ نظر سے دوستی کے لائق ہوں۔ جس طرح یہ ضروری ہے کہ دوستی کے لئے صاحبِ دل لوگوں کا انتخاب کیا جائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دوستی کو ہمیشہ ہمیشہ نبھانے اور قائم رکھنے کی کوشش کی جائے دوست ایک بے تکلف ساتھی، خوش مزاج ہم نشین اور خوش طبع رفیق ہوتا ہے حقیقی دوستی یہ ہے کہ آپ دوست سے دل بیزار نہ ہوں اور دوست آپ کی قربت کو باعثِ تسکین جانے۔ دوستوں کے ساتھ ہنسی اور تفریح بھی انسانیت کی اقدار میں ایک اعلیٰ قدر ہے۔ اچھے دوست تفریح کے ساتھ ساتھ وقار، حیثیت اور اعتدال بھی قائم رکھتے ہیں۔ آپ جس شخص سے محبت کرتے ہیں اس سے کبھی کبھی اپنی محبت کا اظہار بھی کیجیے۔ اظہارِ محبت کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ دوست قریب ہو جاتا ہے اور دونوں طرف سے جذبات و احساسات کا تبادلہ اخلاص و مروّت میں غیر معمولی اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ اخلاص و محبت کے جذبات سے دلی لگاؤ پیدا ہوتا ہے اور پھر پاکیزہ طبیعت و پاکیزہ جذبات کُلی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دوست آپس میں یک جان و دو قالب کی مثال بن جاتے ہیں۔ دوستانہ تعلقات کو زیادہ سے زیادہ استوار اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے دوستوں کی خدمت کریں۔

ہم جب اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا وصف مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔ جب کوئی بندہ نوعِ انسانی کو دوست سمجھ کر اس کی خدمت کو اپنا مشن بنا لیتا ہے تو اس کے اوپر اللہ کی رحمت کے دروازے

کھل جاتے ہیں۔ اور بالآخر کائنات اُس کے آگے جھک جاتی ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ انہوں نے اپنے سے چھوٹوں کو ہر اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اونچا اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اپنے دوستوں کے لئے وہی کچھ پسند کیا ہے جو اپنے لئے پسند کیا۔

تمام لوگوں میں خدا کے نزدیک زیادہ محبوب وہ آدمی ہے جو انسانوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے اور نفع پہنچانے والا کوئی بندہ بلا تخصیص مرد و عورت نوعِ انسانی کا دوست ہوتا ہے۔

آئیے، خدا سے یہ دُعا کریں:

"اے خدا! ہمارے دلوں کو بغض و عناد، کبر و نخوت اور کدورتوں کے غبار سے دھو دے اور تفرقہ کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے دلوں کو خلوص و محبت سے جوڑ دے۔ اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم باہمی اتحاد و یگانگت کے ساتھ ایک مثالی روحانی معاشرہ قائم کر سکیں۔"

قرآن پاک کی یہ دُعا وردِ زبان رکھیے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(سورۂ الحشر، آیت ۱۰)

اے رب! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور کدورت نہ رہنے دے۔ اے ہمارے رب! تو بڑا ہی مہربان اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

خود داری

خدا اپنی محبت میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس لئے کہ اللہ یہ جانتا ہے کہ بندہ سب سے زیادہ مال و دولت سے پیار کرتا ہے۔ اللہ کے لئے خرچ کرنا دراصل اللہ کی مخلوق اور آدم و حوّا کے رشتے سے اپنے بہن بھائیوں پر خرچ کرنا ہے۔ اللہ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ پہنتا ہے لیکن جب کوئی بندہ اپنی برادری کے آرام و آسائش کے لئے اللہ کی دی ہوئی دولت خرچ کرتا ہے تو یہ ایثار درجۂ قبولیت بن جاتا ہے۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد احسان جتانا محتاجوں اور ناداروں کے ساتھ حقارت کا سلوک کرنے کے برابر ہے۔ ان کی خود داری کو ٹھیس لگانا دراصل ان کی غریبی کا مذاق اڑا کر اپنی برتری ثابت کرنے کے برابر ہے۔ مؤمن ان تمام کثیف جذبات سے پاک ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

"اے ایمان والو! اپنے صدقات اور خیرات کو احسان جتا کر اور غریبوں کا دل دکھا کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔ تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ مال خدا کی راہ میں نہ دو جو تم کو عزیز ہے۔"

بیداری

رات کو جاگنے اور دن میں نیند پوری کرنے سے پرہیز کیجئے۔ خدا نے رات کو

آرام اور سکون کے لئے بنایا ہے اور دن کو ضروریات پوری کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرنے کا وقت قرار دیا ہے۔ جو لوگ رات کو دیر سے سوتے ہیں وہ صبح جلدی بیدار نہیں ہو پاتے۔ صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے بستر سے اٹھ جانا صحت کے لئے انتہائی درجہ مفید ہے۔ آدمی کاروبار و معاش میں فراخ حوصلہ اور حاضر دماغ رہتا ہے۔ زیادہ دیر تک سوتے رہنے سے اعصابی اضمحلال واقع ہوتا ہے۔ اعصاب جب بیمار ہو جاتے ہیں تو آدمی سکون کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ محرومی اس کے اوپر شک اور وسواس بن کر لپٹ جاتی ہے۔ شک اور وسواس سے آدمی خوف زدہ رہنے لگتا ہے اور جو لوگ غم زدہ اور خوف آشنا ہوتے ہیں وہ اللہ کی دوستی سے دور ہو جاتے ہیں۔ ربّ ذوالجلال نے فرمایا ہے:-

اور خدا ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ پوش اور نیند کو راحت و سکون اور اٹھ کھڑے ہونے کے لئے بنایا۔

اور ہم نے نیند کو تمہارے لئے سکون و آرام، رات کو پردہ پوش اور دن کو روزی کی دوڑ دھوپ کا وقت بنایا۔

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی کہ یہ اس میں آرام و سکون کریں اور دن کو روشن۔ بلاشبہ اس میں مومنوں کے سمجھنے کے اشارات ہیں۔

جو لوگ آرام طلبی اور سستی کی وجہ سے دن میں خراٹے لیتے ہیں یا لہو و لعب میں مبتلا ہونے کے لئے رات بھر جاگتے ہیں وہ اپنی صحت اور زندگی برباد کرتے ہیں۔

قطرۂ آب

"اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کی بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ آسمان سے آبِ مصفّیٰ (بارش) برسا کر مردہ بستیوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ یہ پانی تمام ذی حیات کے لئے مدارِ حیات ہے۔ ہم پانی کو مختلف صورتوں میں بدلتے ہیں تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں لیکن کفار ہماری نہیں سنتے۔" (سورۂ فرقان ۴۸ تا ۵۰)

پانی مرکب ہے اور روح بسیط ہے۔ پانی کا قطرہ تک فنا نہیں ہو سکتا۔ دریا سے اٹھا تو بادل بن گیا۔ وہاں سے ریگستان میں ٹپکا تو دوبارہ فضا میں اڑ گیا۔ باغ میں برسا تو اوس بن کر پھل میں جا پہنچا۔ وہاں سے ہمارے پیٹ میں آیا۔ اور یہاں آیا تو جزوِ جسم بن کر باقی رہا یا گردوں وغیرہ کے راستے باہر نکل گیا اور اگر سمندر میں ٹپکا تو گویا وطن میں پہنچ گیا۔ الغرض قطرۂ آب کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہتا ہے۔ اگر پانی باوجود مرکب ہونے کے زندہ رہتا ہے تو روح کو جو بسیط ہے بدرجۂ اولیٰ باقی رہنا چاہیئے۔ جس طرح آفتابی شعاعیں پیاسے ریگستان میں ٹپکے ہوئے قطروں کو ڈھونڈ کر آسمانی بلندیوں کی طرف [illegible]ے جاتی ہیں اسی طرح زندگی کے یہ تمام قطرے جو اجسامِ انسان کے خاکدانوں میں ٹپک پڑتے ہیں لامکانی وسعتوں میں دوبارہ پہنچ جائیں گے۔

کیا یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کر رہے ہیں اور اس حقیقتِ کبریٰ کے متعلق ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ انہیں عنقریب یقین حاصل ہو جائے گا اور یقیناً ہو گا، کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا۔ (سورۃ النبا ۱ تا ۶)

زمین پر سورج ہمیں روشنی دیتا ہے۔ بادل، پانی، درخت اور پھل ہمیں قوت بخشتے ہیں

اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس گہوارہ کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں جس طرح کہ پرندے کی اصل دنیا آشیانے سے باہر ہے اسی طرح ہماری اصلی زندگی کہیں اور ہے یہاں صرف چند سوگوار گھڑیاں بسر کرنے کے لئے آتے ہیں اور بس۔

"اور ہم اس زمین کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ یہاں ہم صرف چند روز بسر کرنے کے لئے آئے ہیں اور بالآخر اس دنیا کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔"

کائنات میں اللہ کی نشانیوں کی تلاش و جستجو کے لئے قرآن کریم نے ان الفاظ میں ترغیب دی ہے۔

"اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے کہ بیابانوں اور سمندروں کے اندھیروں میں راہ تلاش کرو۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں اپنی ربوبیت اور رحمت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔" (سورۂ انعام)

"زمین و آسمان کی پیدائش، تمہارے لب و لہجہ اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس میں یقیناً عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔" (سورۂ روم)

"کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ بادل سے پانی برساتا ہے پھر ہم اس کے ذریعے انواع و اقسام کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح پہاڑوں میں سفید و سرخ خطے ہیں جن کی رنگت ایک دوسرے سے مختلف ہے ان میں سے بعض گہرے سیاہ ہیں، اسی طرح انسانوں، جانوروں اور چوپایوں

میں بھی رنگوں کا اختلاف ہے۔" (سورۂ فاطر)

"بلاشبہ چوپایوں میں سوچنے سمجھنے کی بڑی عبرت ہے ہم ان کے جسم سے خون اور کثافت کے درمیان دودھ پیدا کرتے ہیں۔ یہ پینے والوں کے لئے ایسی لذیذ چیز ہوتی ہے کہ وہ بے غل وغش اٹھا کر پی لیتے ہیں، اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ اور عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو اور دیکھو تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان ٹہنیوں میں جو اس غرض کے لئے بلند بنا دی جاتی ہیں اپنا چھتہ بنائے پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوستی پھرے اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقے پر پوری فرماں برداری کے ساتھ گامزن ہو جائے۔ دیکھو اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے، اس میں انسان کے لئے شفا ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔"

(سورۂ النحل)

خدا کی تعریف

"اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے اللہ یکتا ہے، اللہ کسی سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا باپ ہے، اس کا کوئی خاندان بھی نہیں ہے۔"

اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ صفات کا تذکرہ فرمایا ہے:

وہ یکتا ہے۔ بے نیاز ہے۔ ماں باپ یا اولاد کے رشتے سے مبرا ہے۔ اس کا کوئی کفو، خاندان، کنبہ یا برادری نہیں ہے۔

خالق کی تعریف کے برعکس (۱) مخلوق یکتا نہیں ہوتی، مخلوق کا کثرت میں ہونا ضروری ہے (۲) مخلوق ہونے کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ ہر ہر قدم پر محتاج ہوتی ہے (۳) اگر مخلوق کا باپ نہ ہو تو مخلوق کا وجود ہی زیر بحث نہیں آتا (۴) مخلوق کی پیدائش میں بنیادی عمل ماں باپ کا ہونا ہے (۵) مخلوق کی پہچان کا اصل ذریعہ ہی اس کا خاندان ہے۔ دراصل ہر نوع ایک پورا کنبہ اور خاندان ہے۔

آیئے تلاش کریں کہ اللہ کی صفات میں ہم بحیثیت مخلوق کس کس رشتہ سے وابستہ ہیں۔

اللہ ایک ہے، مخلوق کثرت ہے۔ اللہ کسی کی اولاد نہیں ہے، مخلوق اولاد ہوتی ہے۔ مخلوق باپ یا ماں ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس سے ماورائی ہیں۔ مخلوق معاشرتی طور پر ایک خاندان میں رہ کر زندگی گزارتی ہے اور اللہ تعالیٰ خاندانی جھمیلوں سے پاک اور مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ان پانچ صفات میں سے صرف ایک صفت ایسی ہے کہ مخلوق تمام مخلوق سے رشتے منقطع کر کے ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ کی صفت میں اپنا ذہن مرکوز کر سکتا ہے اور وہ صفت ہے بے نیازی کی صفت یعنی مخلوق اپنا ذہن دنیاوی تمام وسائل سے ہٹا کر اللہ کے ساتھ وابستہ کر لیتی ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو مخلوق کے اوپر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ ہمارا خالق اور رازق اللہ اور صرف اللہ ہے۔

اس یقین کے ساتھ زندگی گزارنے والے بندے [illegible] زندگی میں جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں تو کہتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم یہ کوشش اور جدوجہد اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ کوشش کے نتائج ہمارے ارادوں کے تابع ہیں بلکہ اس لئے کوشش کرتے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ کائنات متحرک رہے۔ رنگ روپ میں بنی سنوری کائنات اپنے محور پر گردش کرتی رہے تاآنکہ اسے اپنی منزل مل جائے اور یہ کُن سے پہلے کے عالم میں داخل ہو جائے۔

زندگی کے دو رُخ

تعریف اس ربِ کائنات کے لئے ہے جو اپنی ربوبیت کی صفتِ عالی سے ہمیں کھلاتا ہے اور جو ہمارے معاشی، معاشرتی اور زندگی کے سارے کاموں میں ہماری مدد فرماتا ہے اور جس نے ہمیں رہنے بسنے کے لئے آرام و استراحت کے وسائل کے ساتھ ٹھکانا بخشا ہے۔

انسانی زندگی کے دو رُخ ہیں۔ ایک بیداری، دوسرا رُخ خواب۔ بیداری میں بھی اُسے آرام و آسائش کے لئے وسائل کی ضرورت پیش آتی ہے اور سونے کی حالت میں بھی۔ سونے کی حالت بیداری کی مشقت و محنت کا ثمر ہے۔ آدمی جب تھک ہار کر اپنے اندر ضعف اور کمزوری محسوس کرتا ہے تو سونے کے بعد اس کی توانائیاں بحال ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک قدرتی عمل ہے کہ آدمی روحانی طور پر بیداری کی حالت سے نکل کر اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں وہ پیدائش سے پہلے مقیم تھا۔ سونے کی حالت میں وہ غیب کی دنیا میں سفر کرتا ہے۔ اور غیب کی دنیا میں نورانی لہروں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے اور

سو اٹھنے کے بعد ایک نیا جوش، نیا ولولہ اور نئی زندگی اپنے اندر موجود پاتا ہے۔

ہمارے آقا سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ بستر پر پہنچنے سے پہلے قرآن پاک کا کچھ حصہ ضرور پڑھو تاکہ غیب کی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے بیداری میں ہی انوار کا نزول شروع ہو جائے۔

نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

جو شخص اپنے بستر پر آرام کرتے وقت کلام اللہ کی کوئی سورہ تلاوت کرتا ہے تو خدائے تعالےٰ بیدار ہونے تک ہر تکلیف دہ چیز سے اس کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور کرتا ہے۔

سونے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیجئے جہاں تازہ ہوا اور آکسیجن وافر مقدار میں پہنچتی رہے۔ ایسے بند کمرے میں نہ سوئیں جہاں تازہ ہوا کا گزر نہ ہو۔ مُنہ لپیٹ کر سونے سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ سوتے وقت چہرہ کھلا رکھیئے تاکہ تازہ ہوا ملتی رہے۔

سوتے وقت یہ دُعا پڑھیئے:

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی

اے اللہ میں تیرے ہی نام سے موت کی آغوش میں جاتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ اٹھوں گا۔

علم و آگہی

اے اللہ تو جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عزت و ذلت تیرے اختیار میں ہیں۔

دنیا کی تمام بلندیاں تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور تو ہر چیز پر
قادر ہے۔ تو ہی وہ مالک ہے جو تہذیب و تمدن کے دن کو رات میں
اور رات کو دن میں بدلتا رہتا ہے۔ مُردہ اقوام کی خاکستر میں حیات
پیدا کرتا ہے اور زندہ اقوام کو موت کی نیند سلانا تیری سنت ہے۔
(آلِ عمران)

جس طرح رات اور دن طلوع اور غروب ہوتے رہتے ہیں اسی طرح اقتدار بھی اقوامِ عالم میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے۔ بابل اور مصر کی تہذیبیں اپنی پوری آن بان اور شان و شوکت کے باوجود زمیں دوز ہو گئیں۔ تہذیب کا آفتاب کبھی مشرق پر چمکتا تھا، پھر یونان علم و آگہی کا مرکز بن گیا۔ پھر یونان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سلطنتِ روم وجود میں آ گئی۔ آفتابِ تہذیب پھر پوری طرح مغرب پر چمکنے لگا کچھ عرصے بعد ایران نے زندگی کی ایک نئی انگڑائی لی۔ یہاں تک کہ ریگستانِ عرب سے علم و عرفان کے بادل اٹھے اور ان علم و عرفان کے بادلوں سے مشرق و مغرب دونوں ہی سیراب ہو گئے۔

اور پھر جب مسلم قوم نے اپنا تشخص کھو دیا، اپنا کردار گھناؤنا بنا لیا تو علم و آگہی کا سورج مغرب کی طرف لوٹ گیا۔ آج پست اقوام اعلیٰ اور بلند ہیں اور اعلیٰ اقوام سابقہ پست اقوام کے سامنے ذلت و رسوائی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ قوم کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ علم و ہنر میں ہی نہیں، اپنی معاش میں بھی خود کفیل نہیں ہے۔ وہ قوم جو قرآن کو نافذ کرتی تھی معاشی اعتبار سے اتنی مفلوک الحال ہے کہ اس کی سوچ اور فکر پر بھی پردے پڑ گئے ہیں۔ سود جیسی لعنت نے اسلام نافذ کرنے والی قوم کو اس طرح بے بس و مجبور کر دیا

ہے کہ حقیقت کا برملا اظہار بھی ایک لاینحل مسئلہ بن گیا ہے۔ اللہ کہتا ہے:

سود لینے والے، سود دینے والے اور سودی معیشت میں زندہ رہنے
والے اللہ کے ایسے دشمن ہیں جو اللہ کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہیں۔

تمام مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ عقل دست بگریباں ہے کہ اللہ کے دشمنوں کی نماز، نماز کس طرح ہوئی۔ اللہ کے ساتھ حالتِ جنگ میں رہتے ہوئے روزے کی برکتیں اور سعادتیں کیسے حاصل ہوں گی۔ جن لوگوں کو اللہ نے اپنا دشمن قرار دے دیا ہے وہ کس منہ سے خانہ کعبہ کا طواف کر سکتے ہیں اور خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات سے اللہ کے دشمن کیوں کر منور ہو سکتے ہیں؟

تاریخ ایک عظیم گواہ ہے کہ جس قوم نے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کا مذاق اڑایا، اللہ نے اس قوم کو پست اور ذلیل کر دیا۔

کیا ہمارے لئے ابھی بھی لمحۂ فکریہ نہیں آیا کہ ہم اپنے ظاہر اور باطن کا محاسبہ کریں ——؟

پانی میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔ اگر اس کی مقدار کو ذرہ بھر گھٹا یا بڑھا دیا جائے تو ایک زہر تیار ہو گا۔ اگر یہ دونوں عناصر مساوی مقدار میں جمع کر دیئے جائیں تب بھی ایک مہلک مرکب بنے گا۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن ہر دو قاتل اور مہلک گیس ہیں جن کے مختلف اوزان سے لاکھوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں اور ہر مرکب زہر ہلاہل ہوتا ہے لیکن اگر دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ایک جگہ کر دیا جائے تو ان دو زہروں سے جو پانی تیار ہو گا تمام عالمین کے لئے حیات و ممات کا ذریعہ ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور ہم نے پانی سے ہر شے کو حیات عطا کی۔" (سورۂ انبیاء)

"ہم نے ہر چیز کو معین مقدار سے پیدا کیا ہے۔" (سورۂ قمر)

"ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم معین مقدار میں ہر چیز کو نازل کرتے ہیں۔" (سورۂ حجر)

سبحان اللہ، کیا کیا نشانیاں اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کرنے والوں کے لئے بتائی ہیں!

لیموں اور کالی مرچ دونوں چیزیں ہائیڈروجن دس حصّے اور کاربن بیس حصّے سے تیار ہوتے ہیں لیکن مقداروں کے تفاوت اور الگ الگ تعین سے دونوں کی شکل، رنگ، ذائقہ، حجم اور تاثیر بدل گئی۔ اسی طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن سے وجود میں آتے ہیں لیکن مقداروں کے الگ الگ تعین سے ایک کا رنگ کالا اور دوسرے کا رنگ سفید بن گیا ہے۔ ایک قابلِ شکست اور دوسرا ٹھوس ہے، ایک کم قیمت اور دوسرا نایاب ہے، ایک نوعِ انسانی کو حیات عطا کرتا ہے اور دوسرا انگشتری میں زینت و زیبائش کے کام آتا ہے۔

اللہ رب العالمین نے جس محبت اور یگانگت سے نوعِ انسانی کو پیدا کیا ہے، ویسی ہی محبت اور یگانگت کے ساتھ وہ چاہتا ہے کہ انسان کائنات میں حکمران بن کر اللہ کی بادشاہی میں شریک ہو تاکہ اللہ کی نیابت اور خلافت کا حق ادا کرسکے۔

جھاڑو کے تنکے

کائنات کی ساخت ہمارے سامنے اس امر کی تشریح کرتی ہے کہ جو کچھ موجود ہے وہ پہلے سے کہیں قائم ہے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کا تعلق ماضی اور حال سے

نہ ہو۔ جب ہم ماضی کا تذکرہ کرتے ہیں تو در اصل کسی شے کے آباد اجداد اور اسلاف کا اعتراف کرتے ہیں۔ بادام کے درخت سے اگر بات کرنا ممکن ہو جائے تو بادام کا درخت اسی طرح شجرہ بیان کرتا ہے جس طرح ایک آدم زاد اپنا شجرہ بیان کر کے خاندانی وجاہت اور وقار کی گفتگو کرتا ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ بکری کا خاندان بھی اپنی معین مقداروں اور فطری تقاضوں پر قائم ہے جس طرح خاندانوں، نوعوں اور مخلوق کے شجرے ہوتے ہیں یہی صورت حال نیکی اور بدی کی ہے۔ نیکی کا بھی ایک خاندان ہے یا نیکی ایک درخت ہے اور یہ درخت جب قائم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ہزاروں شاخیں اور بے شمار پھول اور پتے لگتے رہتے ہیں۔ شاخوں، تنوں اور پتوں کا پھیلاؤ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ایک درخت اپنے خاندان، اپنے کنبہ، اپنی نسل کے لئے سایۂ رحمت بن جاتا ہے۔

بسا اوقات ہم ایک برائی کو بہت کم تر اور معمولی سمجھتے ہیں لیکن جب بہت کم تر اور بظاہر حقیر نظر آنے والی برائی بیج بن کر نشو و نما پاتی ہے اور درخت بن جاتی ہے تو اس درخت کے پتے، کانٹے، کریہہ رنگ پھول، خشک سیاہ اور کھردرے پتے، بجھی بجھی سی اور بے رونق شاخیں پوری نوع کو غم آشنا کر دیتی ہیں۔ اور پھر یہ غم ضمیر کی ملامت بن کر مہلک بیماریوں کے ایسے کنبے کو جنم دیتا ہے جس سے آدمی بچنا بھی چاہے تو بچ نہیں سکتا۔ اگر ہم واقعتاً حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور تفکر کو اپنا شعار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں جاننا ہوگا کہ خیر و شر کے تمام مراحل ایک کنبہ کے افراد کی طرح زندہ اور متحرک ہیں۔ نیکی کا درخت رحمت و برکت کا سایہ ہے اور بدی کا درخت خوف اور پریشانی اور رنج و ملال کی کیفیات کو نوعِ انسانی پر مسلط کر دیتا ہے۔

ہر آدمی یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ خاندان کے افراد جب تک مل جل کر یکجائی جذبات

کے ساتھ رہتے ہیں ان کی ایک حیثیت ہوتی ہے، ان کی اپنی ایک آواز ہوتی ہے، ان کی ایک اجتماعی قوت ہوتی ہے۔ جھاڑو کے تنکے الگ الگ کر دیئے جائیں اور ہر تنکے سے الگ تنگ ضرب لگائی جائے، چاہے اس کی تعداد ایک ہزار تک ہو، چوٹ نہیں لگے گی اور نہ اس عمل سے کوئی مفید نتیجہ مرتب ہوگا۔ لیکن ان ایک ہزار تنکوں کو ایک جگہ باندھ کر ضرب لگائی جائے تو جسم پر نیل پڑ جائے گا۔

اسی طرح ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی طرف قرآن ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ ایک خاندان، ایک کنبہ اور ایک بڑے درخت کی طرح مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ سب متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسّی کو پکڑیں اور بکھر کر اپنی شیرازہ بندی کو ختم نہ کریں۔ قرآن پاک اس ہدایت کا تقاضا ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں کے درمیان جتنے بھی اختلافات ہوں، انہیں قرآن کی ہدایات کے مطابق اللہ کی رسّی کو سہارا بنا کر ختم کر دیا جائے لیکن وائے تعجب! بدقسمتی سے ہمارا المیہ یہ ہے کہ قرآن کے بارے میں مسلمان متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں بے شمار اقوال ہیں۔ اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ تفاسیر کا مطالعہ کرکے کوئی صاحبِ نظر بندہ کسی ایک راستہ پر قدم نہیں اٹھا سکتا جبکہ مفسرین کرام کے پاس کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ان میں سے کون سا قول حق ہے۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ اختلافات کا درخت تناور، گھنا اور لمبا ہو گیا کل جو درخت ایسا تھا جس کے نیچے بمشکل چند افراد قیام کر سکتے تھے آج اس درخت کے نیچے پوری قوم خوابِ خرگوش میں گم ہے۔

ہم جب اپنے اسلاف کے دور کو دیکھتے ہیں اور ان کے گرد و پیش کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس بات کے واضح اشارے ملتے ہیں کہ ان کے اندر اجتماعی حیثیت برقرار تھی اور

قرآن پاک کے لطیف اشارات اور مخفی کنایات اور اسرار و رموز سمجھ لینے میں انہیں کوئی زحمت پیش نہیں آتی تھی۔ اور جب مسلمان قوم کی اجتماعی حیثیت متاثر ہوئی اور نیکی کے درخت کی جگہ برائی (اختلافات) کے درخت نے لے لی تو مسلمان خاندان افراد میں بٹ گیا اور قرآن کی حکمت اور انوار سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اللہ کی رسّی کو باہم متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

اللہ پروردگار کی بنائی ہوئی یہ ساری کائنات اور نوعِ انسانی اللہ کی تخلیق ہے ایک ماں کے سات، نو یا بارہ بچے اس کی تخلیق ہے کوئی ماں یہ نہیں چاہتی کہ اس کی اولاد آپس میں لڑتی جھگڑتی رہے۔ ماں کا فطری تقاضہ ہے کہ اولاد باہم متحد ہو کر ماں کی ممتا کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے اور ماں کی مرکزیت کبھی ختم نہ ہو۔ تمثیلی اعتبار سے اللہ بھی ایک ماں ہے۔ اللہ کی ربوبیت، اللہ کی مامتا اور نوعِ انسانی کے ساتھ اللہ کی محبت چاہتی ہے کہ سارے انسان ایک کنبہ کے افراد بن کر اللہ کی سرزمین پر خوش ہو کر کھائیں پئیں۔ بلاشبہ مخلوق کی خوشی اللہ رب العالمین کی خوشی ہے۔

رزق

ہم اللہ کی زمین میں کسی درخت کا بیج بوتے ہیں۔ زمین اپنے بطن میں اس بیج کو نشوونما دے کر اپنی کوکھ سے باہر نکالتی ہے۔ اس درخت یا بیل میں دو نازک پرت ہوتے ہیں۔ دو الگ الگ پرت ایک ننھی سی شاخ پر قائم ہوتے ہیں۔ وہ بیج جو ہم نے زمین میں

بویا تھا، دو حصوں میں تقسیم ہو کر اس شاخ کے ساتھ چسپاں رہتا ہے۔ جب درخت یا بیل کی جڑ ذرا مضبوط ہو جاتی ہے تو یہ دونوں پرت بکھر جاتے ہیں اور شاخ میں ایک نیا شگوفہ کھل اٹھتا ہے اور پھر نمو اور نشوونما کا سلسلہ اتنا دراز ہوتا ہے کہ ایک چھوٹا سا بیج درخت بن کر اللہ کی مخلوق کے لئے روزی اور غذا کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

کیا ہم کبھی اس بات پر غور کرتے ہیں:

ماں کے پیٹ میں نہ کوئی پھل دار درخت ہے اور نہ وہاں دُودھ یا غذا موجود ہے۔ بچہ ایک قانون، ایک ضابطہ، ایک اصول اور ایک نظام کے تحت پیٹ کی اندرونی کوٹھری میں توازن کے ساتھ لمحوں، منٹوں، گھنٹوں، دن اور مہینوں کے وقت کے تعاون کے ساتھ پرورش پاتا رہتا ہے۔ پیدا ہوتا ہے تو اس کی غذا کی کفالت کے لئے دو چشمے اُبل پڑتے ہیں اور جب بچہ غذا کے معاملے میں خود کفالت کی طرف دو قدم آگے بڑھتا ہے تو وہ سوتے جن سے چشمہ اُبل رہا تھا خشک ہو جاتے ہیں۔ وہ ماں جس کی ازلی خواہش بچے کو سینے سے چمٹا کر دودھ پلانا تھا، اب بچے کی غذا کا اہتمام دوسری طرح کرتی ہے اور ستر ماؤں سے زیادہ چاہنے والا اللہ ماں کی مامتا کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے زمین کی کوکھ کو ماں بنا دیتا ہے اور زمین ہماری ماں بن کر ہمیں وہ تمام وسائل مہیا کرتی ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ یہ سب کیوں ہے، قدرت ہماری خدمت میں اس فیاضی اور دریا دلی سے کیوں مصروف و منہمک ہے؟

قدرت چاہتی ہے کہ ـــــ

ہم قدرت کی نشانیوں پر غور کر کے نیکوکاروں کی زندگی بسر کریں، اس لئے کہ نیکوکاری قدرت کی حسین ترین صنعت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ اس کی صنعت میں تنہائی نہ ہو۔

سُورۂ یونس میں ارشاد ہے:

ہم نیکوکاروں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے بلکہ کچھ زیادہ ہی عطا کریں گے، ان کے چہروں کو ذلت اور مسکنت کی سیاہی سے محفوظ رکھیں گے اور جنت میں انہیں دائمی سکون حاصل ہوگا۔

اور بدکاروں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی، ان کے چہرے ذلت اور رسوائی سے سیاہ پڑ جائیں گے اور ان کا مستقل ٹھکانا دوزخ ہوگا

نیکوکاری یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کو پہچان لے اور محرومُ القسمت لوگ وہ ہیں جو اپنے خالق کا عرفان حاصل نہیں کرتے۔ خالق کا عرفان حاصل کرنے کے لئے خود اپنی ذات کا عرفان ضروری ہے اور اپنی ذات کا عرفان یہ ہے کہ ہم اپنے اندر موجود اللہ کے نور کا مشاہدہ کریں۔

مُردہ قوم

اگر تو ان احکام پر جو آج تجھے دے رہا ہوں عمل کرے گا تو تیرا خداوند تجھے زمین کی قوموں میں سرفراز کرے گا، ساری برکتیں تجھ پر نازل ہونگی۔ تو شہر میں بھی مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی۔ تو گھر میں آتے وقت اور باہر جاتے وقت مبارک ہوگا۔ تیرے حملہ آور تیرے سامنے مارے جائیں گے، اگر وہ ایک راہ سے حملہ کریں گے تو سات راہوں سے بھاگیں گے ـــــ خداوند تیری زمین کے پھلوں میں فراوانی دے گا۔ وہ اپنا خاص خزانہ تیرے آگے کھولے گا۔ آسمان تیری زمین پر بروقت مینہ برسائے گا۔ تو

اوروں کو قرض دے گا پر تو قرض نہ لے گا۔ لیکن اگر تو نے خداوند کی آواز کو نہ سنا تو پھر تو شہر میں بھی لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی۔ تو اندر آتے اور باہر نکلتے وقت لعنتی ہوگا۔ خداوند تیرے کاموں پر لعنت، حیرت اور ملامت نازل کرے گا یہاں تک کہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی۔ خداوند تجھ کو سوکھنڈی، تپ، جوشِ خون، سخت جلن، خشک سالی اور گرم لُو سے مارے گا۔ تیرا آسمان پیتل کا اور تیری زمین لوہے کی ہو جائے گی۔ خداوند مینہ کے بدلے تیری زمین پر خاک دھول برسائے گا۔ تو اپنے دشمن پر ایک راہ سے حملہ کرے گا اور سات راہوں سے بھاگے گا۔ خداوند تجھ کو دیوانگی، نابینائی اور گھبراہٹ سے مارے گا جس طرح اندھا (نابینائی کے) اندھیرے میں ٹٹولتا ہے تو دوپہر کو ٹٹولتا پھرے گا۔ تیرے بیٹے اور تیری بیٹیاں دوسری قوم کو دے دی جائیں گی تو دیکھتا رہ جائے گا اور ان کے انتظار میں تیری آنکھیں تھک جائیں گی، تیرے بازوؤں میں زور نہیں رہے گا۔ تیری محنتوں کا پھل ایک اجنبی قوم کھا جائے گی۔" (کتابِ موسیٰ۔ استثناء ۲۸/۱-۳)

دنیا میں ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ ظالم کو دیر سویر اس کے ظلم کا بدلہ نہ ملا ہو۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بدمعاش اور بدکار آدمی کو زندگی میں سکونِ قلب کی دولت حاصل نہیں ہوتی۔ مکافاتِ عمل کا یہ قانون ہے کوئی بندہ اس وقت تک رنگ و بو کی اس دنیا سے رشتہ منقطع نہیں کر سکتا جب تک وہ مکافاتِ عمل کا کفارہ ادا نہیں کر دیتا۔ کیا کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خیانت اور بددیانتی سے اس کی مسرت میں اضافہ

اضافہ ہوا ہے۔ کیا کوئی آدمی متعفن اور سڑی ہوئی غذا کھانے کے بعد بیماریوں، پریشانیوں اور بے چینیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ کیا سیاہ کارانہ زندگی میں رہتے ہوئے ہمارا اوروں میں کامیابی ممکن ہے، ایسی کامیابی جس کامیابی کو حقیقی کامیابی اور مستقل کامیابی کہا جا سکے؟

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب یہ ہے کہ برے کام کا نتیجہ برا مرتب ہوتا ہے اور اچھے کام کا نتیجہ اچھائی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس اصول کو ماننا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانی فلاح خیر میں ہے اور شر کا نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ یہی قانون اجتماعی زندگی کا ہے۔ اجتماعی طور پر اگر کوئی معاشرہ سیاہ کارانہ زندگی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا نتیجہ بھی اجتماعی تباہی مرتب ہوتا ہے۔ یہ بات کون نہیں جانتا کہ مسلمان من حیث القوم ادبار زدہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی حکومت ایک عالم کو محیط تھی۔ آج یہ ان لوگوں کا محتاجِ کرم ہے جو اس کی کفالت میں زندگی گزارتے تھے۔

آسمانی صحائف اور تمام اللہ کے فرستادہ پیغمبروں نے نوعِ انسانی کو یہی پیغام دیا ہے کہ راست بازی، دیانت اور حقیقت پسندی انسانی زندگی کی معراج ہے۔ جب کسی قوم کو یہ معراج حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو سکونِ قلب مل جاتا ہے۔ سکونِ قلب ایک ایسی کیفیت ہے جس کی موجودگی میں انسان کے اندر سوئے ہوئے وہ کرب خلیے بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ قوم جس کے اندر سوئے ہوئے خلیے جس مناسبت سے بیدار ہوتے ہیں اسی مناسبت سے اس کے اندر نت نئی ایجادات کی صلاحیتیں کام کرنے لگتی ہیں۔ یہ صلاحیتیں کیا ہیں؟ یہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ایسی صفات جن کے اندر یہ پیغام چھپا ہوا ہے کہ انسان زمین اور آسمان اور پوری کائنات کا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون سچا ہے، برحق ہے۔ جو قومیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صفات یعنی انسانی صلاحیتیں اپنے اندر بیدار کر لیتی ہیں وہ

زمین پر حکمرانی کرتی ہیں۔ جو قوم ان صلاحیتوں سے کام نہیں لیتی وہ محکوم اور غلام بن جاتی ہے۔

آج کا دور ایک قوم کے لئے محکومیت اور طوقِ غلامی کا دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جو قوم زندہ ہے اور اس کے خون میں زندگی رواں دواں ہے اور جو قوم زمین پر پھیلائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے وسائل کو استعمال کرنے کی جدوجہد میں مشغول ہے وہ حاکم ہے اور دوسری قوم کے لئے جس میں انتشار ہے، اختلاف ہے، بے یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی ناشکری ہے وہ محروم اور ادبار زدہ ہے۔

آیئے! ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور اپنی زندگی کا تجزیہ کریں کہ ہمارا شمار حاکم قوم میں ہے یا ہمارا مقدر محرومیت بن گیا ہے۔

پیغمبر کے نقوشِ قدم

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر زندگی کے نقشے کو صحیح ترتیب نہیں دیا جاسکتا۔ ہر مسلمان صحیح خطوط پر اپنی زندگی کو اس وقت ترتیب دے سکتا ہے جب قرآن حکیم کے بیان کردہ مطالب اور مفہوم کو سمجھ کر اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی عملی زندگی میں سمو لے۔

قرآن حکیم نے اطاعتِ رسول اور اطاعتِ اللہ کے لئے دو انداز اختیار کئے ہیں۔ خدا نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کو بھی ضروری ٹھہرایا ہے اور کہیں

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی ہی کا ذکر کیا ہے۔

آیئے، اُن آیات کا مطالعہ کریں جن کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی اطاعت ضروری ہے:۔

"کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔" (آلِ عمران)

"مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اگر کسی بات میں اختلاف پیدا ہو تو اگر خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول اور اپنے اولی الامر کے حکم کی طرف رجوع کرو۔" (النساء)

"ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سن رہے ہو۔" (الانفال)

"اور خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ایسا کروگے تو بزدل ہو جاؤ گے۔" (الانفال)

"مومنو، خدا کا ارشاد مانو اور پیغمبر کی فرماں برداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دو۔" (محمد)

"اور خدا اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرتے رہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔" (مجادلہ)

"اور خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔" (التغابن)

یہ وہ آیاتِ مبارکہ ہیں جن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی پیروی کو یکساں ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی جس طرح خالقِ کائنات اللہ کی اطاعت ضروری ہے بالکل اسی طرح اللہ کے فرستادہ بندے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔

آئیے، اب ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو دین کی اساس اور بنیاد قرار دیا گیا ہے :۔

"جو شخص رسولؐ کی پیروی کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی پیروی کی۔"

(النساء)

"اور ہم نے جو بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔" (النساء)

"لوگوں سے کہہ دیجئے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔" (آل عمران)

"تو جو لوگ آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو ان پر کوئی آفت آن پڑے یا تکلیف والا عذاب نازل ہو۔" (النور)

"آپ کے پروردگار کی قسم، یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں گے اور جو آپ فیصلہ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے تسلیم کر لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔" (النساء)

آیاتِ مذکورہ سے جو نکات اور مفہوم واضح ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں :۔

اطاعتِ رسولؐ امتی کے لئے اہم اساس ہے کہ اس سے انکار کفر کے برابر ہے۔

اللہ کے رسولؐ کی اطاعت رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

کسی بھی مسئلہ میں اختلافِ رائے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کے تقاضے اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو حرزِ جاں بنا لیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ خداوند قدوس کی اطاعت ہے۔

ہر پیغمبر اس لئے مبعوث ہوا ہے کہ لوگ اس کے نقشِ قدم پر چلیں۔

محبتِ الٰہی صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔

جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مخالفت میں سرگرم ہیں ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے۔

ایمان اس وقت تک تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اوامر کو پورے اخلاص سے تسلیم نہ کیا جائے۔

نیکی کیا ہے؟

اللہ ربُّ العزت سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا، سب کی ضروریات کا کفیل اور سب کا نگہبان ہے۔ چنانچہ جب ہم انسانوں سے بھلائی سے پیش آتے ہیں، اُن

کی مدد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ قرآن پاک نے ہم پر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق پورا کرنا لازم و ملزوم کر دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی رشتہ داروں سے شروع ہوتی ہے جن میں والدین سب سے پہلے مستحق ہیں۔ ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت اولین فریضہ ہے۔ اہل و عیال کے لئے حلال رزق کا حصول اور بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت بھی حقوق العباد میں سے ہے۔ اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسی کا نمبر آتا ہے۔ آخر میں تمام انسان حقوق العباد کے دائرۂ کار میں آتے ہیں۔

حقوق العباد میں مالی حق بھی ہے اور اخلاقی حق بھی۔ قرآن پاک نے جا بجا اس کی حدود بیان کی ہیں اور اس کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

> نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کر لو لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں۔ (البقرہ)

اگر ہم اس پوزیشن میں نہ ہوں کہ مالی لحاظ سے کسی کی مدد کر سکیں تو خدمت کے اور بھی ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ہم ان کو لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

دین کا بنیادی جذبہ خیر خواہی ہے، چنانچہ اگر ہم کسی کے لئے اچھائی نہیں کر سکتے تو

اس کے لئے برائی کے مرتکب بھی نہ ہوں۔ خیر خواہی کے لئے محض مالی حالت کا اچھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا، سلام میں پہل کرنا، کسی کی غیبت نہ کرنا اور نہ سننا، اللہ کی مخلوق سے حسنِ ظن رکھنا، لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کر دینا، کسی ضعیف یا بیمار کو سڑک پار کرا دینا، بیمار کی مزاج پرسی کرنا، سڑک پر پڑے ہوئے پتھر یا کانٹوں کو راہ سے ہٹا دینا حقوق العباد کے زمرے میں آتے ہیں۔

ضدّی لوگ

حضرت سید البشر، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”کائنات میں گھڑی بھر کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔“

جن قوموں نے کائنات کے اجزائے ترکیبی یعنی افرادِ کائنات کی تخلیق پر غور کیا وہ سرفراز ہوئیں اور جس قوم نے کائناتی تفکر سے اپنا رشتہ منقطع کیا وہ اقوامِ عالم میں مُردہ قوم بن گئی۔

تخلیقِ کائنات پر غور و فکر کی اہمیت کا واضح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ قرآن نے نوعِ انسانی کو اس طرف بطورِ خاص متوجہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے، وہ محض دکھاوے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ کسی نہ کسی مصلحت اور حکمتِ خداوندی کا کرشمہ ہے۔

قرآن پاک میں سات سو چھبیس[۷۲۶] جگہ نوعِ انسانی کے باشعور افراد کو مطالعۂ کائنات کی ترغیب دی گئی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم نے صرف توحید کے اقرار، صوم و صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے معاملات و مسائل کو سامنے رکھ کر 'کتاب مبین' میں موجود دوسرے

احکامات پر غور و فکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور ہادیٔ برحق، باعثِ تخلیقِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک "کائنات میں ایک لمحے کے برابر تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے" پر ہم غور و فکر نہیں کرتے۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ ربانی ہے:

ارض و سما کی تخلیق، اختلافِ لیل و نہار، سمندر میں تیرنے والی کشتیوں اور اس گھٹا میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ زن ہیں اربابِ عقل و دانش کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔"

سورۂ آل عمران میں ہے:

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کی تبدیلیوں میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین کی کوکھ سے جنم لینے والی نئی نئی موجودات پر غور و فکر کرتے ہیں، اے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، ہمیں ایسی زندگی سے محفوظ کر دے جس زندگی کے اوپر خوف اور حزن و ملال محیط ہے۔"

سورۂ روم میں ربِ ذوالجلال یوں گویا ہیں:

"زمین و آسمان کی پیدائش اور چوپایوں کی افزائشِ نسل اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں۔"

سورۂ یوسف میں تنبیہ کے لہجے میں اللہ رب العزت کہتے ہیں:

"ارض و سما میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن سے غافل لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔"

اور ان منہ پھیرنے والوں کو سورۂ سبا میں یہ وعید کی جا رہی ہے:

"کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے، زمین و آسمان کے ظاہر و باطن، عیاں و نہاں، مخفی اور مشاہداتی معجزات پر غور نہیں کرتے؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں اسی زمین میں پیوند کر دیں یا آسمان کو ان کے سروں پر گرا دیں، ہماری اس تنبیہ سے صرف خدا شناس لوگ ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

سورۂ اعراف میں ذرا اور زیادہ تنبیہ کی جا رہی ہے:

"کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید ان کو زندہ رہنے کی جو مہلت دی گئی ہے اس کے پورے ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔"

ہم رات دن ڈھول پیٹتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، جنت ہماری میراث ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کی ہمارے اوپر (ثواب کی شکل میں) بارش برستی رہتی ہے اور ثواب سے ہمارے خزانے بھرے ہوئے ہیں جب کہ من حیث القوم ہم تہی دست ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان قرآن پر ہے مگر ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی کسوٹی کیا ہے۔

قرآن کہتا ہے ــــــ

زمین و آسمان میں اہلِ ایمان کے لئے حقائق و بصائر موجود ہیں یعنی اہلِ ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقتوں اور زمین و آسمان کے اندر موجود تخلیقات کے فارمولوں (EQUATIONS) پر ان کی نظر گہری ہوتی ہے۔ ان کے اندر مشاہدے

کی ذات کہکشانی نظاموں کی نقاب کشائی کرتی رہتی ہے۔

قرآن بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ نشانیاں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ نشانیاں تو سب کے لئے ہیں مگر انسانوں میں صرف ایمان والے لوگ ہی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، آیتوں اور حکمتوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ غفلت اور جہالت میں ڈوبے ہوئے لوگ جو جانوروں کی طرح جیتے ہیں، ضدی اور ہٹ دھرم لوگ جو "میں نہ مانوں" کی زندہ متحرک تصویریں ہیں ان کے لئے اللہ کی نشانیوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔

ایک آدمی جو اندھا ہے چمن کے اندر کھلے ہوئے داغ داغ پھولوں اور رنگ رنگ دل فریب مناظر سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بصارت اور ایمان کی روشنی سے محروم لوگ قدرت کے مناظر کا ادراک نہیں کرسکتے۔

قرآن برملا اعلان کرتا ہے:

وہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے مگر ابھی ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔

سعید روحیں

برائیوں کو مٹانے کی جد و جہد اور بھلائیوں کی ترغیب ہی وہ عمل ہے جو ہمارے وجود کا ضامن ہے۔ اس میں کوتاہی کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ترجمہ۔ تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور خدا پر

کامل ایمان رکھتے ہو۔" (آل عمران)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی غور کرنا ہوگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم جس غلط روش سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کر رہے ہیں اور اس کے بُرے نتائج سے انہیں خبردار کر رہے ہیں، ہم خود دانستہ یا نادانستہ طور پر اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرزِ عمل کی نشاندہی اس طرح کی ہے کہ

"کیا تم لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو۔" (البقرہ)

اور "تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔" (الصف)

اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے میں ہماری بات میں اسی وقت تاثر پیدا ہوگا جب ہم خود اس دعوت اور تعلیم کا نمونہ ہوں اور ہمارا رابطہ اللہ کے ساتھ ویسا ہی ہو جو ایک حقیقی بندے کا اپنے رب سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ربط کے حصول کا طریقہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا ہے:

ترجمہ: "اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کیجئے مگر کچھ رات، آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیئے ہم جلد آپ پر ایک بھاری فرمان ڈالنے والے ہیں۔" (المزمل)

قیام کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی قربت پر قائم ہو کر اس سے ایسا ربط پیدا کرے کہ اس کی زندگی کا ہر عمل اللہ کی ذات سے وابستہ ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لے۔

جب بندہ اپنے رب سے حقیقی تعلق کو قائم کرلیتا ہے تو وہ غم اور خوف سے نجات حاصل کرکے سکون اور اطمینان کی تصویر بن جاتا ہے۔ اب جب وہ کوئی بات کہتا

ہے اور کسی بات کی دعوت دیتا ہے تو باضمیر لوگ اور سعید روحیں اس کی آواز پر لبیک کہتی ہیں۔

توفیق

قیامت میں خدا فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو میرے لئے لوگوں سے محبت کیا کرتے تھے، آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو جو قابل رشک شان و شوکت حاصل ہوگی ان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خدا کے بندوں میں کچھ ایسے ہیں جو نبی اور شہید تو نہیں ہیں لیکن قیامت کے روز خدا اُن کو ایسے رتبوں پر سرفراز فرمائے گا کہ انبیاء اور شہدا بھی ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔

صحابہ نے پوچھا وہ کون خوش نصیب ہوں گے یا رسولؐ اللہ!

آپؐ نے فرمایا:

یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے محض خدا کے لئے محبت کرتے تھے، نہ یہ آپس میں رشتہ دار تھے اور نہ ان کے درمیان کوئی لین دین تھا۔ خدا کی قسم! قیامت کے روز اُن کے چہرے نور سے جگمگا رہے ہوں گے جب سارے لوگ خوف سے کانپ رہے ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب سارے لوگ غم میں مبتلا ہوں گے اس وقت انہیں قطعاً کوئی غم نہیں ہوگا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

سنو! اللہ کے چاہنے والوں کے لئے نہ کسی بات کا خوف ہوگا اور نہ کسی قسم کا غم۔

دوستی کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جن لوگوں سے آپ قلبی تعلق بڑھا رہے ہیں ان کی اخلاقی حالت کیسی ہے۔ دوستوں کی صحبت میں بیٹھ کر وہی رجحانات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں جو دوستوں میں کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا قلبی لگاؤ اسی سے بڑھانا چاہیئے کہ جس کا ذوق، افکار و خیالات اور دوڑ دھوپ اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں۔

دوستوں پر اعتماد کیجئے، انہیں افسردہ نہ کیجئے۔ ان کے درمیان ہشاش بشاش رہیئے۔ دوستی کی بنیاد خلوص، محبت اور رضائے الٰہی پر ہونی چاہئے نہ کہ ذاتی اغراض پر۔ ایسا رویّہ اپنایئے کہ دوست احباب آپ کے پاس بیٹھ کر مسرت، زندگی اور کشش محسوس کریں۔

سورج کی روشنی

انسان ہمیشہ سے یہ دعویٰ کرتا چلا آیا ہے کہ وہ جو کچھ کماتا ہے وہ سب اُس کی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے، اس کے زورِ بازو کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ وہ اپنی دولت کا پوری طرح مالک و مختار ہے، جس طرح چاہے خرچ کرے۔ کسی کو حق نہیں کہ وہ اس سے

بازپرس کرسکے۔ قرآنِ پاک نے قارون کو اس سرمایہ دارانہ اور ابلیسانہ طرزِ فکر کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس گروہ کا سرغنہ قارون جو کچھ کہتا تھا قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :

"میں نے جو کچھ کمایا ہے اپنی ہنرمندی سے کمایا ہے۔" (قصص)

معاشرتی اور انفرادی سطح پر اس طرزِ فکر کی کارفرمائی کی بنیادی وجہ انسان کے اندر سرمایہ پرستی کا ذہن ہے۔ آدمی ہمیشہ سے مال و دولت کا بھوکا اور آسائشوں کا طلب گار رہا ہے۔ دولت سمیٹنے کی دُھن ہمیشہ اس کے اوپر سوار رہتی ہے۔ آدم کی اولاد نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت اکٹھا کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔ وہ شعور کی حالت میں داخل ہونے سے قبر کا منہ دیکھنے تک دولت اکٹھا کرنے کی دوڑ میں بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔

"تمہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی خواہش نے غفلت
میں رکھا یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔"

انفرادی حدود میں دولت پرستی کی بیماری آدمی کی اَنا اور اس کی ذات سے گھن بن کر چپک جاتی ہے۔ اس کی انسانی صفات کو چاٹتی رہتی ہے اور خالق کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کو زنگ آلود کردیتی ہے۔ آدمی کے باطن میں ایک شیطانی وجود پرورش پانے لگتا ہے جو لحہ بہ لحہ بڑا ہو کر اس کی ذات کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ آدمی کی بہترین تخلیقی صلاحیتیں دولت کی حفاظت میں صرف ہو جاتی ہیں۔ اگر دولت پرستی کا مرض معاشرہ میں پھیل جائے تو قوم کے افراد ایک دوسرے کے حق میں بھیڑیئے بن جاتے ہیں۔ آدمی کے لباسوں میں یہ درندے جب موقع ملتا ہے جھپٹ کر دوسرے کو شکار

کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ معاشرے میں طرح طرح کے قوانین اور رسوم کو رواج دے کر نچلے طبقہ کا خون چوستے رہتے ہیں۔ قانونِ قدرت سرمایہ پرستی اور لالچ کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسی قوموں کو غلامی، ذلت اور افلاس کے عمیق غار میں دھکیل دیتا ہے۔

قرآن پاک سرمایہ پرستوں کے اس اوّلین دعوے پر کاری ضرب لگاتا ہے کہ اُن کی کمائی اور اُن کی دولت ان کی ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمہارا یہ خیال کہ رزق کا حصول اور اس کی پیدائش تمہارے زورِ بازو کا نتیجہ ہے، ایک خام خیال ہے۔ فطرت کے قوانین اور اس کے وسائل خود تمہارے لئے مسلسل رزق کی بہم رسانی میں مصروف ہیں۔ سمندروں سے پانی بخارات کی شکل میں زمین پر برستا ہے اور زمین کی مردہ صلاحیتوں میں جان ڈال کر اسے وسائل کی تخلیق کے قابل بنا دیتا ہے۔ زمین طرح طرح کی پیداوار کو جنم دے کر انسان کی پرورش کرتی ہے اور اس کی زندگی کے قیام کے وسائل فراہم کرتی ہے۔ ہوا، سورج کی روشنی اور بہت سے دوسرے عوامل اس دوران فصلوں کو بارآور کرنے میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور بلا معاوضہ آدمی کی خدمت کرتے ہیں۔ رزق اور وسائل کے حصول اور عمل میں انسان کی کوشش صرف ہاتھ بڑھا کر روزی حاصل کرلینا ہے۔

رب کی مرضی

انسان کو اس دنیا کی زندگی میں طرح طرح کے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کبھی اس پر رنج و غم اور تکالیف کا دور آتا ہے اور کبھی خوشی اور کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ کبھی جانی و مالی نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں اور کبھی مالی منفعت

حاصل ہوتی ہے۔ انسان کے جذبات اور اس کی سوچ میں حالات کے ان تلاطم سے تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ جب اس پر مصائب کا زمانہ آتا ہے تو وہ بشری تقاضے کے تحت، رنج و غم اور تفکرات سے نیم مردہ ہو کر رہ جاتا ہے اور ناامیدی اور احساسِ کمتری اس کے ذہن پر قبضہ جما لیتی ہے۔ جذبات کی رَو میں اگر وہ قانونِ قدرت کو بھی برا بھلا کہہ بیٹھتا ہے حالاں کہ وہ قانونِ قدرت سے واقفیت ہی نہیں رکھتا۔

اس کے برعکس جب اس پر خوش حالی کے دروازے کھلتے ہیں اور خوشیاں اس کے حصّے میں آتی ہیں تو وہ ان حالات کو اپنی قوتِ بازو پر محمول کرتا ہے اور دولت کے نشے میں چور ہو کر حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔

مومن کی طرزِ فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر حالت کو چاہے وہ خوشی کی ہو، غم کی ہو یا مالی فراوانی کی ہو ایک نظر سے دیکھتا ہے، ہر مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں وہ کبھی ناامیدی کی دلدل میں نہیں پھنستا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے اسی طرح مصائب کا دور آنا بھی ایک ردِ عمل ہے۔ وہ آزمائش کے زمانے میں جدوجہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اس کی پوری زندگی ایک پیہم جدوجہد ہوتی ہے۔

تمام انبیائے کرام کا ذہن یہی تھا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ پر بھروسا کرتے تھے اور ہر آزمائش میں اللہ کے شکر کے ساتھ ثابت قدم رہتے تھے۔ شکایت کا کوئی کلمہ ان کے لبوں سے ادا نہیں ہوتا تھا۔ قرآن پاک نے حضرت ایوبؑ کو اللہ پر توکل اور مشکلات میں ثابت قدمی کا سمبل (SYMBOL) بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کے برخلاف حضرت سلیمانؑ کو مالی فراوانی اور خوش حالی میں شکر، انکساری، فروتنی اور سخاوت کا مظہر بنا کر پیش کیا ہے۔

اللہ کے یہی مقدس بندے ہیں جن کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے :-

"اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، بھوک، جان و مال کے نقصان اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے ان لوگوں کو خوش خبری دے دیجئے جو مصیبت پڑنے پر کہتے ہیں، ہم خدا ہی کے ہیں اور ہمیں خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اُن پر اُن کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اور اس کی رحمت ہوگی اور ایسے ہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔"

ایک جگہ ارشاد ہے :-

"جو مصائب بھی روئے زمین پر آتے ہیں اور جو آفتیں بھی تم پر آتی ہیں وہ سب اس سے پہلے کہ ہم انہیں وجود میں لائیں ایک کتاب میں موجود ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات خدا کے لئے آسان ہے تا کہ تم اپنی ناکامی پر غم نہ کرتے رہو۔"

دنیا و آخرت

قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب و مقرب بندوں کی خصوصیات کے ضمن میں ایک بات یہ بتائی ہے کہ راتوں کو ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں اور بیدار رہ کر اپنے رب کی طرف متوجہ رہتے ہیں، اس سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعائیں مانگتے ہیں، اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں، رکوع و سجود میں مصروف رہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالےٰ نے یہی ارشاد فرمایا کہ :-

"اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر کم، آدھی رات
یا اس سے کچھ کم کر لو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھیر
ٹھیر کر پڑھو، ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔"
(سورۂ مزمل)

رات کے اس قیام کی وجہ اللہ تعالےٰ نے خود یہ بتائی ہے کہ :۔

"درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور
قرآن پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔" (سورۂ مزمل)

ان احکامات کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ اوّل شب آرام فرماتے تھے اور رات کے پچھلے پہر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ یہی عبادت اور نیند کے بہترین اوقات ہیں۔ عام حالات میں رات گئے تک جاگنے اور دوسرے وقتوں میں نیند پوری کرنے سے اعصاب بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ فطرت کے نظام میں رات کا پہلا حصہ آرام اور سکون کے لئے، پچھلا پہر عبادت اور یکسوئی کے حصول کے لئے اور دن کا وقت حصولِ معاش اور دوسری مصروفیات کے لئے مقرر ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

"اور ہم نے نیند کو تمہارے لئے سکون و آرام، رات کو پردہ پوش اور
دن کو روزی کے لئے دوڑ دھوپ کا وقت بنایا ہے۔" (سورۂ النبا)

نیند اور بیداری کے معاملے میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ نہ اتنا زیادہ سونا چاہیے کہ جسم پر کاہلی سوار ہو جائے اور دماغی فعل سست پڑ جائے اور نہ اتنا کم سونا چاہیے کہ دماغی تھکن پوری طرح رفع نہ ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک

بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کیا یہ بات صحیح ہے کہ تم روزانہ دن میں روزے رکھتے ہو اور رات رات بھر نماز میں گزارتے ہو؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا "جی ہاں۔ یہ بات درست ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "نہیں ایسا نہ کرو، کبھی روزہ رکھو اور کبھی کھاؤ پیو۔ اسی طرح سوؤ بھی اور اٹھ کر نماز بھی قائم کرو۔ کیوں کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔

"کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی تاکہ یہ آرام و سکون
حاصل کریں اور دن کو روشن، بلاشبہ اس میں مومنوں کے لئے سوچنے
کے اشارات ہیں۔" (سورۂ النمل)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سونے کے لئے تشریف لے جاتے تو وضو کرتے اور لیٹنے سے پہلے قرآنِ پاک کے کسی حصہ کی تلاوت فرماتے۔ بستر میں لیٹنے سے پہلے اکثر یہ دعا کرتے تھے :۔

"اے میرے رب! تیرے ہی نام سے میں نے اپنا پہلو بستر پر رکھا اور
تیرے ہی سہارے میں اس کو بستر سے اٹھاؤں گا۔ اگر تو رات ہی میں میری
جان قبض کرے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے چھوڑ کر مزید مہلت دے
تو اس کی حفاظت فرما جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت
کرتا ہے۔"

کبھی آپؐ یہ دعا فرماتے :۔

"شکر و تعریف خدا ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور جس نے
ہمارے کاموں میں بھرپور مدد فرمائی اور جس نے ہمیں رہنے بسنے کا ٹھکانا

بخشا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کا نہ کوئی معین و مددگار ہے اور نہ کوئی ٹھکانا دینے والا۔"

حضورؐ نرم اور ملائم بستر استعمال نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہؓ کا بیان ہے کہ میرے ہاں آپؐ کا بستر ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم حضورؐ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی چٹائی پر بھی آرام فرماتے تھے۔ آپؐ نے کبھی بھی خواب گاہ کے لئے یا آرام کرنے کے لئے قیمتی اور نرم سامان استعمال نہیں کیا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو رہے تھے۔ چٹائی پر لیٹنے کی وجہ سے آپؐ کے جسم پر نشانات پڑ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔" میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روتا دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ قیصر و کسریٰ تو ریشم اور مخمل کے گدّوں پر سوئیں اور آپ بوریئے پر؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" یہ رونے کی بات نہیں ہے۔ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ضروری چیزیں اپنے سرہانے رکھ لیا کرتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد تھا کہ سونے سے پہلے گھر کی تمام چیزوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیا کرو، کھانے پینے کے برتن ڈھانک دو اور آگ جل رہی ہو تو اُسے بجھا دو۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہاتھ دُعا مانگنے کی طرح ملاتے اور سورہ اخلاص، سورہ الفلق اور سورہ الناس تلاوت فرما کر ہاتھوں پر دَم فرماتے اور پھر جہاں تک ہاتھ پہنچتا اپنے جسم مبارک پر پھیر لیتے اور یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر دائیں کروٹ لیٹنا پسند

فرماتے تھے۔ اور سونے سے پہلے بستر کو اچھی طرح جھاڑ لیتے تھے۔ رات کے پچھلے پہر جلد سے جلد بیدار ہو کر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کبھی اس سے بھی پہلے بیدار ہو جاتے تھے اور کبھی تو پوری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

بیوی کی اہمیت

اپنے گھر والوں کو اسلامی اخلاق سے آراستہ کیا جائے اور ان کی صحیح تربیت کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے تاکہ وہ معاشرے کے لئے اعلیٰ نمونہ بن جائیں۔ لڑکے ملک و قوم کے لئے ترقی و کامرانی کی سند کا درجہ حاصل کرلیں اور لڑکیاں اچھی بیویاں اور سعادت نشان مائیں بن کر رحمت کا گہوارہ بن جائیں، ایسا گہوارہ جو نوعِ انسانی کے لئے فلاح و بہبود، مساوات اور روشن مستقبل کی ضمانت بنے۔ قرآن پاک بآوازِ بلند ارشاد فرماتا ہے :-

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کیجئے اور اس پر خود بھی پابند رہیئے۔"

بیویوں پر نہایت خوش دلی کے ساتھ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض ہے۔ اس اطاعت میں مسرت اور شادمانی کا خزانہ چھپا ہوا ہے اس لئے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور جو بیوی خدا کے حکم کی تعمیل کرتی ہے وہ اپنے خدا کو خوش کرتی ہے۔ خدا کی ہدایات کا تقاضا یہی ہے اور ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنائے رکھنے کا ایک کامیاب فارمولا بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

"نیک بیویاں اطاعت کرنے والی ہیں۔"

شوہروں کو چاہیئے کہ وہ بیویوں پر ناجائز تصرف نہ کریں۔ شوہروں پر یہ فرض عائد

ہوتا ہے کہ پوری فراخ دلی کے ساتھ رفیقۂ حیات کی ضروریات پوری کریں۔
اور اپنی بیویوں کو تنگ نہ کریں۔ اس حق کو خوش دلی کے ساتھ پورا کرنے کے لئے
جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنا انتہائی پاکیزہ عمل ہے۔ اس عمل کو انجام دینے
سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں ازدواجی زندگی کی نعمت ملتی ہے بلکہ اچھا اور مخلص شوہر
آخرت میں بھی اجر و انعام کا مستحق بنتا ہے۔

بیوی کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ
احسن الخالقین کی ایسی صفت ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے تخلیق آدمیت اور اس کی
نشوونما کا مظہر بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔"

دوسری جگہ یہ ارشاد ہے:

"عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔"

کوئی باشعور آدمی اپنے لباس کو تار تار نہیں کرتا۔ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

خودشناسی

"اس نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی
تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے باپ ابراہیم کا
دین ہے۔ اس نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا تاکہ
رسول ہمارے لئے دینِ حق کی شہادت دیں اور تم دنیا کے سارے انسانوں
کے سامنے دینِ حق کی شہادت دو۔" (قرآن کریم)

ہم بحیثیت مسلم اللہ اور اس کے رسولؐ کے جانشین ہیں اور ہمیں وہی کام
انجام دینا ہے جو اللہ کے رسولؐ نے انجام دیئے ہیں۔ جس طرح آخری نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل اور شب و روز کی زندگی سے خدا کے دین کو پھیلانے اور
واضح کرنے کا حق ادا کیا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار کی حیثیت
سے ہمیں بھی دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے خدا کے دین کو واضح کرنا ہے تاکہ
پوری نوعِ انسانی اللہ کے حقیقی منشا کو پورا کرنے کے قابل ہو جائے۔ اللہ نے
جنّات اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ خود اللہ چاہتا ہے کہ بندے اپنی روح
سے آشنا ہو کر اللہ کو پہچان لیں۔

جو لوگ خودشناسی سے آگے اللہ کے راستے پر قدم اٹھا چکے ہیں اُن کے
اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انسانوں کو اس راستہ پر چلنے کی دعوت دیں جو
راستہ صراطِ مستقیم ہے اور جس راستہ پر چلنے والے لوگوں پر انعام کیا جاتا ہے اور اُن
کے اوپر عرفان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

اس دعوت کو عام کرنے کے لئے کچھ ضابطے ہیں، اصول اور قاعدے ہیں۔
ان کو ذہن نشین رکھیئے۔

"اپنی اصلی حیثیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیئے۔ خودنمائی اور کبر سے بچیئے۔ کوشش
پیہم جاری رکھیئے، اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت کیجئے، مقصد کے لئے زندہ
رہیئے اور اس ہی کے لئے جان دے دیجئے۔"

انہی کاموں کو انجام دینے کے لئے خدا نے آپ کو "خیرِ اُمّت" کے عظیم لقب
سے سرفراز کیا ہے۔

سوزِ نفس اور رُوحانیت سے سرشار لوگوں سے محبت بندہ کو خود شناسی سے قریب کرتی ہے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو آپس میں خدا کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ بلاشبہ محبّت آخرت کی نجات ہے۔

غصہ، نفرت، تفرقہ، بغض و عناد اس مشن کا تشخص ہے جو بارگاہِ ایزدی سے معتوب اور گم کردہ راہ ہے۔ یہ مشن کبر و نخوت، ضد اور ذاتی طور پر غرور کا پرچار کرتا ہے۔ اس کردار میں وہ تمام عوامل کارفرما ہیں جن سے بندہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے، اس کے اوپر تاریکی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے، ادبار اور آلام و مصائب اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ یہ خود اپنی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ بظاہر دنیا کی ہر آسودگی میسّر ہوتی ہے لیکن دل میں ایک ایسا ناسور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے تعفّن سے رُوح کے اندر لطیف انوار اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں اور عیب قطع و برید کی یہ عادت مزمن ہو جاتی ہے تو انوار کا ذخیرہ پسِ پردہ چلا جاتا ہے اور اللہ کے ارشاد کے مطابق دلوں پر، کانوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور آنکھوں پر دبیز اور گہرے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہ محرومی اس کو نہ صرف یہ کہ دنیا میں امن و سکون سے دور کر دیتی ہے بلکہ ایسا بندہ ازلی سعادت اور عرفانِ حق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"قیامت کے روز کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور ان کے چہرے نور سے جگمگا رہے ہوں گے، وہ موتیوں کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے لوگ ان کی شان پر رشک کریں گے۔ یہ لوگ نہ نبی ہوں گے نہ شہید ہوں گے۔"

ایک بدو نے سوال کیا۔ "یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں، ہمیں ان کی پہچان بتا دیجئے۔"

فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں خدا کی خاطر محبت کرتے ہیں۔"

نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا دیدار ہوا۔ خدا نے اپنے پیارے نبیؐ سے کہا، "مانگیے!"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ دعا مانگی۔

"اے خدا! میں تجھ سے نیک کاموں کی توفیق چاہتا ہوں اور بُرے کاموں سے بچنے کی قوت چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت چاہتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرما دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے اس حال میں اُٹھائے کہ میں اس سے محفوظ رہوں اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں، اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو تیرے قرب کا ذریعہ ہے۔"

دماغ میں چھپا ہوا ڈر

تبلیغی کام اپنے گھر سے شروع کیجئے۔ اگر آپ کے گھر میں آپ کی رفیقۂ حیات یا آپ کا رفیق سفرِ دینی اور روحانی علوم سے بہرہ ور ہیں تو آپ دونوں اپنے بچوں کی بہترین تربیت کر سکتے ہیں۔ بچہ کا پہلا گہوارہ ماں کی آغوش اور باپ کی گود ہے۔ آپ دونوں اگر اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں گے تو بچوں کی تربیت اور سدھار کے لئے

گھر تعلیم وتربیت کا پہلا اسکول بن جائے گا۔

مرد کے اوپر فرض ہے کہ بچوں اور بیوی کی تمام ضروریات پوری کرے۔ عورت کے اوپر فرض ہے کہ ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائے رکھے۔ دونوں کو چاہیئے کہ اپنے قول وعمل اور انداز و اطوار سے ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ کامیاب ازدواجی زندگی کا یہی راز ہے اور خدا کو خوش رکھنے کا ذریعہ بھی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جو اولاد دیتا ہے اسے کبھی ضائع نہ کیجئے۔ پیدا ہونے سے پہلے یا پیدا ہونے کے بعد اولاد کو ضائع کرنا بدترین سنگ دلی، بھیانک ظلم، انتہائی بزدلی اور دونوں جہان کی تباہی ہے۔ ولادت کے وقت ولادت والی عورت کے پاس آیت الکرسی اور سورۂ اعراف کی آیتیں ۵۴-۵۵ پڑھیں اور سورۂ فلق اور سورۂ الناس پڑھ کر دم کریں۔ ولادت کے بعد بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیئے۔ اذان اور اقامت کے بعد کسی نیک مرد یا نیک عورت سے کھجور چبوا کر بچے کے تالو میں لگوایئے اور بچے کے لئے خیر وبرکت کی دعا کروایئے ساتویں دن عقیقہ کیجئے۔

بچوں کو ڈرائیں نہیں کیوں کہ ابتدائی عمر میں دماغ میں چھپا ہوا ڈر ساری عمر ذہن سے چمٹا رہتا ہے اور خوف زدہ بچے زندگی میں کوئی بڑا کام سرانجام دینے کے قابل نہیں رہتے۔

اولاد کو ہر وقت سخت و سست کہنا اور ہر وقت برا کہتے رہنا بھی غلط ہے اس سے بچے کی صحیح پرورش نہیں ہوتی اور وہ ڈانٹ ڈپٹ کو روزانہ کا معمول سمجھنے لگتا ہے۔ بچے نادان ہوتے ہیں۔ ان کی کوتاہیوں پر بیزار ہونے کی بجائے یہ سوچیے

کہ آپ بھی ان ہی کی طرح بچہ تھے اور آپ سے بھی بے شمار کوتاہیاں سرزد ہوتی تھیں۔ نفرت کا اظہار کرنے کی بجائے حکمت، تحمل اور بردباری سے ان کو سمجھائیے۔ ان کو یہ تاثر دیجئے کہ آپ ان کے ہمدرد ہیں۔ ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیریئے تاکہ ان کے اندر اطاعت اور فرماں برداری کے جذبات ابھر آئیں۔

روزہ

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ روزے کے عظیم فوائد اور بے پایاں اثرات کو بیان کیا جائے تو اس کے لئے ہزاروں ورق بھی ناکافی ہوں گے۔ مختصر یہ کہ روزہ امراض جسمانی کا مکمل علاج ہے۔ روحانی قدروں میں اضافہ کرنے کا ایک مؤثر عمل ہے۔ برائیوں سے بچنے کے لئے ایک ایسی ڈھال ہے جس کا توڑ کوئی نہیں۔ روزے دار ایک مخصوص دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ قیامت کے دن روزہ اس بندے کی سفارش کرے گا جس نے پورے ادب واحترام کے ساتھ روزہ کو خوش آمدید کہا تھا۔ روزہ رکھنے سے جسمانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کے اندر لطیف روشنیوں کا بہاؤ تیز تر ہو جاتا ہے روشنیوں کے تیز بہاؤ سے آدمی کے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے، اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے سامنے فرشتے آجاتے ہیں۔ اور وہ غیب کی دنیا میں اپنی روح کو سیر کرتے دیکھتا ہے۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر فرض رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے
لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔"

اللہ تعالیٰ متقی کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔ روحانیت میں غیب پر یقین رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ غیب مشاہدے میں آجائے، اس لئے کہ بغیر مشاہدے کے یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ روزہ بندہ کو ایسے دروازے پر لا کھڑا کرتا ہے جہاں غیب یقین بن جاتا ہے۔

مناظر

مادیت اور روحانیت پر فاعل مختار ایک ہی ہستی ہے اور وہ ہے اللہ۔ مادیت میں ہم اللہ کے جاری قانون کا شب و روز مشاہدہ کرتے ہیں جب کہ روحانیت میں حواس سے بلند تعقل و تفکر کارفرما ہوتا ہے۔

روحانیت میں جب وجدان عقل و شعور کو رہنما بناتے ہیں تو انسان کے سامنے اس کائنات کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔

انسانی حواس میں سب سے پہلے بصیرت کام کرتی ہے اور اس طرح ہم سب سے پہلے اس کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مشاہدہ انسان کو دعوتِ تفکر دیتا ہے اور اس طرح انسانی سوچ کا دھارا مڑتا ہے۔

یوں تو معمارِ کائنات نے جو کچھ بنایا ہے اپنی مثال آپ ہے۔ خاکی زمین سے لے کر نیلے آسمان تک جو کچھ بھی ہے اگر اس پر غور و فکر کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اللہ واحد کی احدیت میں ایک ہی قانون نافذ ہے اور وہ عبدیت ہے۔

اس زمین پر کہیں فلک بوس پہاڑ ہیں جن کی چوٹیوں پر برف جمی رہتی ہے اور کہیں سبزہ ہے جن کے درخت پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوتے ہیں اور کہیں نہ پہاڑ ہیں اور نہ ہی سبزہ بلکہ ریت ہی ریت ہے۔

دنیا میں کوئی ایسا مصور، کوئی ایسا منظر نگار نہیں گزرا جس نے اس کرۂ ارض پر واقع مناظر سے پہلوتہی کر کے کوئی نیا تصور پیش کیا ہو۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس دنیائے رنگ و بو کو اللہ تعالیٰ نے ایسے مناظر سے آراستہ کیا ہے کہ انسان کسی سے بددل نہیں ہوتا۔ ان مناظر میں عبدیت کی وہ مہک شامل ہے جو انسان کی فطرت میں ازل سے قائم ہے۔

اللہ زمین سے آسمان تک ہے یعنی اس کا وجود تمام کائنات پر محیط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان سے لے کر تمام جاندار اور نباتات و جمادات اس کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ قرآن پاک کی سورۂ انبیا، سبا اور سورۂ ص میں اس سلسلہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ۔ اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا ہے کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی ہیں ایسا کرنے کی قدرت ہے اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے (وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو۔

ترجمہ (سبا)۔ بے شک ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا ہے کہ اس کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے

کے پرے جمع ہوتے اور سب مل کر حمد و ثنا کرتے ہیں۔"

ان آیات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چرند و پرند اور پہاڑوں
کی تسبیح زبانِ حال سے ہے گویا کائنات کی ہر شے کا وجود اور اس کی ترکیب خدا
کی خالقیت کی شاہد ہے اور یہی اس کی تسبیح و تمجید ہے۔

ایک اور جگہ قرآنِ پاک میں سورۂ بنی اسرائیل میں ارشادِ ربانی ہے :۔

"آسمان اور زمین خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور کائنات کی ہر شے خدا
کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کا فہم و ادراک نہیں رکھتے۔"

ان آیات میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ کائنات کی ہر شے تسبیح کرتی
ہے۔ دوم یہ کہ جن و انس ان کی تسبیح سمجھنے کا فہم و ادراک نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پر واقع ہر شے جن میں حیوانات، نباتات و
جمادات بھی شامل ہیں تسبیح کی نسبت فرمائی ہے اس پر دوسرے جملے کا اطلاق ہوتا
ہے جس میں اللہ فرماتا ہے کہ جن و انس اس تسبیح کے فہم و ادراک سے قاصر ہیں اور
یہ انسان ہی ہے جو اس قسم کی مشرکانہ گمراہی میں مبتلا ہو رہا ہے ورنہ ساتوں آسمان
و زمین اور کائنات کی ہر شے خدا کی پاکی بیان کرتی ہے اور شرک سے بیزاری کا
اظہار کرتی ہے مگر انسان ان کی اس تسبیح کے فہم و ادراک سے قاصر ہے۔

بے شک اللہ بڑا بُردبار اور بخشنے والا ہے۔

دُعا

دُعا ایک ایسی عبادت ہے جس کا بدل دوسری عبادت نہیں ہے۔ دُعا

ایک ایسا عمل ہے جس میں انسان فی الواقع اپنی نفی کر دیتا ہے اور اپنے پروردگار
کے سامنے وہ کچھ بیان کر دیتا ہے جو کسی قریب ترین عزیز سے نہیں کہہ سکتا۔ بے شک
حاجت روائی اور کارسازی کے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس
رکھے ہیں۔ کائنات میں جاری و ساری نظام پر غور کیا جائے تو اللہ کے سوا کسی کے
پاس کوئی اختیار نہیں اور یہ جو اختیار کی بات کی جاتی ہے اس میں بھی اللہ کا ہی اختیار
کام کر رہا ہے کہ اس نے بندہ کو اختیار استعمال کرنے کی توفیق دی ہوئی ہے۔
سب اپنے خالق کے محتاج ہیں۔ کوئی نہیں جو بندوں کی پکار سننے اور اُن کی دُعائیں
قبول کرے۔ قرآن میں ارشاد ہے :۔

"اے لوگو، تم سب اللہ کے محتاج ہو۔ اللہ ہی ہے جو غنی اور
بے نیاز اور اعلےٰ صفات والا ہے۔"

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے :۔

"اور ہر عبادت میں اپنا رُخ ٹھیک اس کی طرف رکھو اور اسی کو پکارو
اور اس کے لئے اپنی عبادت کو خالص کر لو۔"

اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے :۔

"میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے تو تم بھی ایک
دوسرے پر ظلم و زیادتی کو حرام سمجھو۔"

"میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں
ہدایت دوں، پس تم مجھ ہی سے ہدایت طلب کرو کہ میں تمہیں ہدایت دوں۔"

"میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس شخص کے جس
کو میں کھلاؤں، پس تم مجھ ہی سے روزی مانگو تو میں تمہیں روزی دوں۔"
"میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں
پہناؤں، پس تم مجھ ہی سے لباس مانگو، میں تمہیں پہناؤں گا۔"
"میرے بندو! تم رات میں بھی گناہ کرتے ہو اور دن میں بھی، اور
میں سارے گناہ معاف کر دوں گا۔"

خدا سے وہی کچھ مانگئے جو حلال اور طیب ہے۔ دعا میں خشوع اور خضوع ضروری
ہے۔ خشوع و خضوع سے مراد یہ ہے کہ بندے کے دل میں خدا کی عظمت موجود ہو، سر
اور نگاہیں جھکی ہوئی ہوں، آنکھیں نم ہوں، انداز و اطوار سے مسکینی اور بے کسی ظاہر ہو رہی
ہو۔ دعا چپکے چپکے اور دھیمے انداز میں مانگئے۔

مساجد

خدا کی نظر میں روئے زمین کا سب سے زیادہ بہتر حصہ وہ ہے جس پر مسجد
تعمیر کی جائے۔ قیامت کے ہیبت ناک دن میں جب کہیں کوئی سایہ نہیں ہوگا، خدا اس
دن اپنے اس بندے کو اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا جس نے کوئی مسجد تعمیر کی ہے
مسجد کی حفاظت اور خدمت کیجئے اور اس کو آباد رکھئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو خدا پر اور قیامت
کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔"

فرض نمازیں با جماعت مسجد میں ادا کیجئے کیوں کہ مسجد ایک ایسا مرکز ہے جس
کے گرد مومن کی پوری زندگی گھومتی ہے۔ مسجد میں سکون سے بیٹھئے اور دنیا کی باتیں
نہ کیجئے۔ مسجد میں اونچی آواز سے بات کرنا، شور مچانا، ہنسی مذاق اڑانا، کاروباری
زندگی سے متعلق باتیں کرنا، ایسی باتیں کرنا جن میں دنیاوی آلائشیں شامل ہوں مسجدوں
کی بے حرمتی ہے۔ مسجد ایک ایسا مقدس مقام ہے جہاں صرف خدا کی عبادت
کی جاتی ہے۔

جس طرح ہر آدمی کا ہر دوسرے آدمی پر حق ہے اسی طرح مسلمانوں پر مسجدوں
کا حق ہے اور وہ حق یہ ہے کہ مسجد کا احترام کیا جائے اور یہ کہ وہاں اپنے اللہ
کے سامنے بندہ سربسجود ہو۔ مسجد کا حق یہ ہے کہ آپ اس میں نماز قائم کریں، اللہ
کا ذکر کریں تاکہ آپ کو اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ نہایت ادب و احترام اور ترتیل
کے ساتھ کلامِ پاک کی تلاوت کریں۔

خواتین کو چاہیئے کہ وہ اپنے گھروں کی طرح مسجد کی زینت کا بھی خیال رکھیں
امکان بھر کوشش کریں کہ مسجد سے ان کا ذہنی تعلق قائم رہے۔ ہوشیار بچوں کو ان
کے بڑوں کے ساتھ مسجد میں بھیجیں تاکہ بچوں میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے
حکم کے مطابق ایک اللہ کی بندگی اور اطاعت کا شوق پیدا ہو۔

علیم و خبیر اللہ

باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ - پلٹ آ خدا کی طرف پلٹ آ - تو جو کچھ بھی ہے، جیسا بھی ہے خدا کی طرف لوٹ آ - اگر تو کافر ہے، بت پرست ہے تب بھی خدا کی طرف سے ناامید مت ہو۔ اللہ کا دربار مایوسی اور ناامیدی کا دربار نہیں ہے۔ اگر تو نے سو بار بھی توبہ توڑی ہے تب بھی مایوس ہونے کی بات نہیں ہے۔ آگے بڑھ اور اپنے خدا سے رجوع کر۔

توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا، واپس آجانا، بچھڑ کر مل جانا اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونا۔ ہمارے پالنے والے کو، ہمیں زندگی عطا کرنے والے کو اور ہمارے رب کو سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب بندہ اظہارِ ندامت کے ساتھ عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کے حضور جھک جاتا ہے۔

ایک دفعہ کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ اس سے بچھڑ گیا تھا۔ وہ ممتا کی ماری ایسے بے قرار تھی کہ جس چھوٹے بچے کو دیکھتی اسے اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگتی۔ اس عورت کا یہ حال دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ سے پوچھا" کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھ سے آگ میں پھینک دے گی؟"

صحابہ نے کہا" یارسول اللہ! خود پھینکنا تو درکنار، اگر بچہ آگ میں گرنے لگے تو یہ اپنی جان دے کر بھی بچہ کو بچالے گی"۔

نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا" خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے"۔

گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرنے میں کبھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اظہارِ ندامت کے

کے ساتھ، انکسار کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ اپنے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر معافی طلب کیجئے۔ توبہ اور استغفار سے رُوح مجلّی ہو جاتی ہے اور قلب دُھل جاتا ہے۔ نہایت خلوص اور سچائی کے ساتھ توبہ کرنے سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔ ازل میں خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو قائم رکھنا بندہ کا اخلاقی اور رُوحانی فرض ہے۔ اس فرض کو پورا کرنا ہمارے اوپر واجب ہے۔ اپنی پاکیزگی اور اصلاحِ حال کا خیال رکھئے۔ اپنی ساری کوششوں کے باوجود اگر آپ اپنے عہد پر قائم نہ رہیں اور آپ سے غلطی سرزد ہو جائے تو بھی رحیم و کریم خدا سے مایوس ہرگز نہ ہوں بلکہ پھر خدا ہی کے دامنِ رحمت میں پناہ تلاش کریں۔ خدا آپ سے دُور نہیں ہے۔ وہ آپ کی رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے۔ جہاں آپ ایک ہیں، وہاں دوسرا اللہ ہے، جہاں آپ دو ہیں وہاں تیسرا اللہ ہے۔ آپ جو کام کرتے ہیں اللہ دیکھتا ہے، آپ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے۔ وہی آپ کی انتہا ہے۔ وہ ہر شے پر محیط ہے، قادرِ مطلق اور علیم و خبیر ہے۔ آپ خدا کو آواز دیں ــــ اے خدا ہمارے پروردگار! بے شک میں بہت کمزور ہوں، بلاشبہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے مگر آپ کی رحمت میرے گناہوں پر محیط ہے۔ اے میرے رب! اے وہ ذات جو ستّر ماؤں سے زیادہ محبت اپنے بندوں سے کرتی ہے، میرے اوپر رحم فرما اور مجھے اپنے دامنِ عافیت میں قبول فرما!

ضروری نہیں ہے کہ آدمی جب گناہ کرے اسی وقت توبہ استغفار کرے۔ آدمی ہر وقت توبہ کا محتاج ہے۔ قدم قدم پر اس سے کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں ــــ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ازل سے معصوم ہیں۔ اللہ کے محبوب ہیں، شافعِ روزِ جزا

ہیں، رحمت للعلمین ہیں اس کے باوجود ستر ستر بار اور سو سو بار استغفار فرماتے
تھے اور آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل جاری ہے۔ نبی مکرم خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے عمدہ دعا یہ ہے:۔

اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں، تو نے مجھے
پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں نے تجھ سے اطاعت و بندگی کا جو عہد و پیمان کیا
ہے اس پر اپنے ارادے اور اختیار کی حد تک قائم رہوں گا اور جو گناہ بھی مجھ سے سرزد
ہوئے اس کی سزا سے بچنے کے لئے میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! تو نے مجھے
جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ میں گناہ گار
اور خطا کار ہوں۔ اے میرے پروردگار! میرے جرم کو معاف کر دے۔ تیرے سوا
میری خطاؤں اور لغزشوں کو اور کون معاف کرنے والا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"فی الواقع جو لوگ خدا سے ڈرنے والے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے
کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ
فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ صحیح
روش کیا ہے۔" (الاعراف ۲۰۱)

مایوسی

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ پُر امید رہیئے اور یہ یقین رکھیئے کہ گناہ خواہ
کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ سمندر کے

جھاگ سے زیادہ گناہ کرنے والا بھی جب اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر خدا کے
حضور گڑگڑاتا ہے تو خدا اس کی سنتا ہے اور اس کو اپنے دامن رحمت میں پناہ
دیتا ہے۔

زندگی کے کسی حصے میں گناہوں پر شرمساری اور ندامت کا احساس پیدا
ہوا سے خدا کی توفیق سمجھیئے اور توبہ کے دروازے کو کھلا سمجھیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اے میرے وہ بندو جو اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے ہو خدا کی
رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا، یقیناً خدا تمہارے سارے کے
سارے گناہ معاف فرما دے گا، وہ بہت ہی معاف کرنے والا
اور بڑا ہی مہربان ہے اور تم اپنے رب کی طرف رجوع ہو جاؤ اور
اس کی فرمانبرداری بجا لاؤ اس سے پہلے کہ تم پر کوئی عذاب
آپڑے اور پھر تم کہیں سے مدد نہ پا سکو۔" (سورۃ الزمر ۵۳، ۵۴)

توبہ کے بعد اس پر قائم رہنے کا پختہ عزم کیجئے اور شب و روز اللہ سے کئے ہوئے
پیمان کی طرف دھیان رکھیئے لیکن اگر باوجود کوشش کے آپ پھسل جائیں اور پھر
کوئی خطا کر بیٹھیں تب بھی ہرگز مایوس نہ ہوں بلکہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت
میں پناہ حاصل کریں یہاں تک کہ آپ اس درجہ پر فائز ہو جائیں جہاں آدم زاد
انسان بن جاتا ہے۔ یاد رکھیئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ تعالیٰ
پر ایمان نہ رکھنے کے مترادف ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

ذخیرہ اندوزی

زیادہ منافع کمانے کے لالچ میں جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، چیزوں میں ملاوٹ کرتے ہیں، غریبوں کی حق تلفی کرتے ہیں اور مخلوقِ خدا کو پریشان کرتے ہیں وہ سکون کی دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی اضطراب اور بے چینی کی تصویر ہوتی ہے۔ وہ ظاہرہ طور پر کتنے ہی خوش نظر آئیں ان کا دل روتا رہتا ہے ڈر اور خوف سائے کی طرح ان کے تعاقب میں رہتا ہے۔ وہ کسی کو اپنا ہمدرد نہیں سمجھتے اور کوئی ان کا ہمدرد نہیں ہوتا۔ جب چیزیں سستی ہوتی ہیں تو وہ غم میں گھلتے رہتے ہیں اور جب چیزوں کے دام بڑھ جاتے ہیں تو ان کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اس تجارت کو کبھی ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیجئے جو دردناک عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔ اور جس کا نفع فانی دولت نہیں بلکہ ہمیشہ کی کامرانی اور لازوال عیش ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے مومنو! میں تمہیں ایسی تجارت کیوں نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلائے۔ تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم علم سے کام لو۔"

"ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم کر کے

دیں۔ (اشیاء میں ملاوٹ بھی ناپ تول میں کمی کے زمرہ میں آتا ہے) کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ زندہ کر کے اٹھائے بھی جائیں گے ایک بڑے ہی سخت دن میں جس دن تمام انسان ربّ العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔"

بھائی بھائی

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں مومن مردوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ:

"مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں۔" (توبہ)

محبت والفت، باہمی تعاون، یگانگت اور خلوص مسلم معاشرے کی مثالی خصوصیات ہیں۔ مومنین کی ایک دوسرے سے محبت محض اللہ کے لئے ہوتی ہے کیوں کہ ہر مومن اللہ کی جماعت کا ایک رکن ہے۔ اللہ کی جماعت کے ارکان آپس میں شفیق اور ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی مجموعی مثال جسم کی طرح ہوتی ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم یہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔

حضور اکرمؐ اور ان کے صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، وہ اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں شفیق اور رحیم۔" (فتح)

مومن کا وصف ہے کہ وہ اپنے لئے جو کچھ پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی
کے لئے بھی پسند کرتا ہے۔ قرآن کی اس تعلیم کے مطابق اپنے مسلمان بھائیوں سے
اس طرح دلی تعلق پیدا کیجئے کہ گویا وہ اور آپ ایک لڑی میں پروئے ہوئے دانے
ہیں۔ تکلیف و آرام ہر معاملے میں ان کے رفیق اور مددگار رہیئے۔ اسی دوستی اور
محبت کے اٹوٹ رشتے کو اللہ تعالےٰ نے اس طرح بیان کیا ہے :

"اور مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اللہ کی کتاب

قرآن پاک نوعِ انسانی پر اللہ تعالےٰ کا احسانِ عظیم ہے جو اس نے
اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم پر کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو ہر قسم کے
شک وشبہ سے پاک ہے۔ اور اس میں ہدایت کے طلب گاروں کے لئے سامانِ
نجات ہے۔ اس مقدس صحیفے میں سب کچھ سمو دیا گیا ہے۔ معیشت اور معاشرت
کے اصولوں سے لے کر تخلیق وتسخیرِ کائنات کے فارمولے سب کچھ اس میں موجود ہیں
کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے دائرۂ بیان
میں نہ آتی ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک کا حق ہم پر یہ بتاتے ہیں ـــ

"کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی برکت والی ہے تاکہ وہ اس
میں غور وفکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ قرآنِ پاک کو محض ثواب وبرکت کا ذریعہ سمجھ کر بے

سوچے سمجھے نہ پڑھیں یا طاقوں کی زینت بنا کر نہ رکھیں بلکہ اس میں تفکر کریں جیسا کہ
غور وفکر کرنے کا حق ہے۔

اللہ رب العزت نے فہمِ قرآن عطا کرنے کا ذمہ خود لیا ہے۔ ارشادِ
خداوندی ہے کہ :

"ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، کیا ہے کوئی سمجھنے والا؟"

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں ہم پر یہ لازم ہے کہ اس عطیۂ خداوندی
سے فیض اٹھاتے ہوئے قرآنِ پاک میں غور وفکر کو اپنا شعار بنائیں تاکہ ہماری روحیں
نورِ ہدایت سے منور ہو جائیں اور ہم ان صفات کو حاصل کر سکیں جن سے بندے
کے لئے آسمان وزمین مسخر ہو جاتے ہیں۔

اونگھ

"کیا یہ لوگ کائنات، ارض وسما اور دیگر مخلوق پر غور نہیں کرتے؟
شاید ان کی موت قریب آگئی ہے۔" (اعراف)

اس نیلی فضا میں ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے بے شمار سورج
نہایت تیزی سے تیر رہے ہیں۔ ہمارا سورج کائنات کے بے شمار شمسی نظاموں
کے سامنے محض ایک ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے باوجود اس ساری کائنات
پر انسان کو حکمران بنایا گیا ہے۔

"ہم نے انسان کو اشرف بنایا۔" (بنی اسرائیل)

عالمِ رنگ وبو میں جتنی بھی مخلوق ہے وہ سب آپس میں ایک برادری ہے۔

کہکشانی سیارے ہوں یا ان سیاروں میں بسنے والی نوعیں یا نوعوں میں الگ الگ افراد ہوں، سب کے اندر ایک ہی خون دوڑ رہا ہے۔ سب کی پیدائش ایک ہی فارمولے کے تحت عمل میں آرہی ہے۔ سمندر، پہاڑ، آفتاب و نجوم سب انسان کے بھائی ہیں۔

"اللہ وہ ہے جس نے ہمیں ایک نفس سے پیدا کیا۔" (اعراف)

دنیا میں کوئی آدمی اگر اس کے اندر ذرا سا بھی شعور ہے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کائنات عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے وجود میں آگئی ہے۔ اس لئے کائنات میں اتفاق نامی کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ نہر نشیب میں بہنے کی بجائے اوپر کی سطح پر بہنے لگے۔ کیا کبھی کسی نے آبشار کو نیچے گرنے کے بجائے اوپر کی طرف اڑتے ہوئے دیکھا ہے ؟

ہم روزانہ پھل کھاتے ہیں۔ گندم کا پسا ہوا آٹا کھاتے ہیں۔ دماغ کے اندر موجود ان خلیوں کو حرکت دے کر سوچئے جو بصیرت بناتے ہیں۔ ہر بیج اپنے کنبہ و برادری کا ایک محفوظ گھر ہے۔ اس گھر میں درخت کے کنبہ سے متعلق گھر کا پورا نقشہ، گھر کا طول و عرض، پتے، پھول اور پھل اور شاخیں سب موجود ہیں۔ یہ چھوٹا سا بیج زمین، ہوا اور سورج سے غذا اور حرارت حاصل کر کے پورا درخت بن جاتا ہے۔ جس طرح درخت کے ہر بیج میں درخت کا پورا حسد و دار لیعہ اور گزری ہوئی اور آنے والی نسلیں محفوظ ہیں، اسی طرح اس ساری کائنات کا پروگرام، ماضی اور مستقبل اللہ کے دماغ میں محفوظ ہے۔

"ذرہ یا ذرہ سے کم و بیش کوئی زمینی یا آسمانی چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین

میں نہ ہو یعنی علم الٰہی اور اللہ کے ذہن میں موجود نہ ہو۔" (سورہ سبا)

ہم جب گرد و پیش کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کوئی طاقت ہے جس کے احاطۂ قدرت میں ہر چیز زندہ اور متحرک ہے۔ ہر چیز کے اوپر ایک ہالہ (AURA) ہے جس نے جسم کو سنبھالا ہوا ہے۔ یہ ہالہ کہیں سبز ہے کہیں سے سرخ اور کہیں سے کچھ اور رنگ ہے۔ اس ہالہ کے اوپر ایک اور ہالہ ہے جو رنگ سے ماورا ہے۔ ہر چند کہ اس غیر مرئی طاقت کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن یہ یقیناً موجود ہے۔

"اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، ایسا کون ہے جو سفارش لائے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے، وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہ چاہے، وسعت ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کی اور گراں نہیں اس کو تھامنا اُن کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔" (بقرہ)

"اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔ اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے، پھر کیا یقین نہیں کرتے اور رکھ دیئے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ، کبھی ان کو لے کر جھک پڑے اور رکھیں اس میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پالیں اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت

محفوظ اور وہ آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے
اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج
اور چاند۔ سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں۔ (الانبیاء)

انسان کے اندر خزانے

اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اُگائے، سبز رنگ کے پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے دو گچھے لگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لئے معجزات اور اسباق موجود ہیں۔ (انعام ۱۰۰)

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے جہاں سے یہ آبی بخارات کو لے آتی ہیں اور اس طرح ہم مردہ بستیوں کو سیراب کیا کرتے ہیں۔ (فاطر ۹)

یہ بات کون نہیں جانتا کہ کائنات میں موجود ہر شے کی زندگی غذاؤں کے اوپر قائم ہے۔ انسان گوشت، دالیں، نمک، گندم وغیرہ سے اپنی غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔ کچھ جانور گھاس کھاتے ہیں، درندے گوشت کھاتے ہیں، پرندے دانا چگتے ہیں، حشرات الارض مٹی چاٹتے ہیں۔

پودوں کے لئے ان کی غذا نائیٹروجن، چونا، پوٹاس اور ہائیڈروجن فراہم کی جاتی ہے۔ زمین کی غذائی ضرورت خزاں کے پت جھڑ، ہڈیوں، گوبر، خون اور

بالوں سے پوری ہوتی ہے۔ پچیس ہزار میل لمبی اور وسیع و عریض زمین کو قوت و توانائی منتقل کرنے کے لئے قدرت نے سورج کی شعاعوں سے ایک خوبصورت اور فکر انگیز نظام قائم کیا ہے۔ سورج کی تیز شعاعیں سمندر کے اوپر پڑتی ہیں تو پانی کے بخارات ہواؤں کے دوش پر اوپر اُٹھتے ہیں اور پھر زمین پر جل تھل ہو جاتا ہے۔ زمین میں تخلیقی سانچے انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔

بجلی کی چمک اللہ کی تخلیق میں سے ایک معجزہ ہے۔ خالق کائنات آسمانوں سے بارش برسا کر مردہ زمین میں حیات تو پیدا کر دیتا۔ اس عمل میں دانشمند لوگوں کے لئے عقل و فکر کے اسباق موجود ہیں۔ (روم ۲۴)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے فضائی بلندیوں سے پانی اُتارا جو زمین کی درزوں میں داخل ہو کر پھر چشموں کی صورت میں باہر نکلا اور ان چشموں سے رنگ برنگ کھیتیاں نمودار ہوئیں۔ (زمر ۲۱)

تم دیکھتے ہو کہ زمین پہلے پیاسی ہوتی ہے پھر جب ہم پانی برساتے ہیں تو وہ خوش ہوتی ہے، اس کے قوائے نمو بیدار ہوتے ہیں اور وہ خوش نما درخت گھاس اور پودوں کے جوڑے اگاتی ہے۔

(حج ۵)

روحانی سائنس والے کہتے ہیں کہ درخت بھی آپس میں گفتگو کرتے ہیں انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور سانس لیتے ہیں، بڑھتے اور بچے پیدا کرتے ہیں — انسانوں کی طرح کشمکش میں الجھے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف حسن تدبیر کے ساتھ اور عسکری خرد و دانش کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

زمین میں بہت سی جڑی بوٹیاں ایسی پائی جاتی ہیں جن کے بیج خشخاش سے بیس گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔ قدرت نے ان کے اندر دو جڑی ہوئی پتیاں، ڈنڈی جو جڑ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے، ایک گرہ جو ڈنڈی بنتی ہے اور اس بیج میں جڑ پکڑنے سے پہلے چند روز کی غذا محفوظ رکھتی ہے۔ اے عقل والو غور کرو۔ تفکر اور تدبر کے ساتھ کائنات کے اندر جھانک کر دیکھو اور اندازہ لگاؤ کہ اتنے کم وسعت بیج میں جب قدرت نے زندگی کا اتنا بڑا ذخیرہ محفوظ کر دیا ہے تو اللہ کے نائب انسان میں کتنے خزانے محفوظ ہوں گے۔

اللہ کی صناعی

اللہ نے ہر جاندار کو سمندر سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر قسم کے تنوع پر قادر ہے۔ (نور ۴۵)

اللہ نے زمین کے اوپر طرح طرح کے حیوانات پیدا کئے ہیں۔ ان کا شمار کیا جائے تو الگ الگ لاکھوں نوعیں ہیں اور ہر نوع کے افراد کروڑوں اور اربوں سے زیادہ ہیں۔ ہر نوع کا الگ الگ رنگ اور الگ الگ ڈھنگ ہے۔ ہر نوع کے اربوں کھربوں افراد کی شکل، ہیئت دوسری نوع کے افراد سے مختلف ہے۔

یہی حال نباتات اور جمادات کا ہے۔ پھولوں اور سبزیوں پر چھوٹی چھوٹی مکھیاں اس قدر باریک ہوتی ہیں کہ اگر انہیں پکڑ کر دیکھنا چاہیں تو ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں گردے، ہڈیاں، پھیپھڑے، معدہ، انتڑیاں

دماغ، آنکھیں، پر، ٹانگیں اور سب کچھ اپنی جگہ موجود ہیں۔

حالات کے مطابق مختلف حیوانات کی حرکات و سکنات بھی مختلف ہیں۔ بعض دن کو سوتے اور رات کو جاگتے ہیں۔ بعض رات کو سوتے اور دن کو جاگتے ہیں۔ ایسے جانور بھی ہیں جو سخت گرمی اور سردی میں مکانوں کی چھتوں اور سوراخوں میں مہینوں چھپے رہتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ بظاہر انہیں ہوا، غذا اور روشنی میسر نہیں ہوتی، وہ زندہ رہتے ہیں۔

قدرت نے درختوں کی غذا کا اہتمام ہوا کے ذمے کر دیا ہے اس لئے انہیں چلنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ ذرا غور تو کریں ___ غذا کی تلاش اور حصولِ رزق میں اگر دوسرے چوپایوں کی طرح چلنا شروع کر دیں تو زمین پر کیسی ابتری پھیل جائے گی۔ پرندوں کی طرح اگر درخت اڑنا شروع کر دیں تو دنیا کا نظم کیا تباہ نہیں ہو جائے گا؟

موتی سیپ کی کشتی میں ہچکولے کھاتا ہوا دریا کی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔ سائنسداں بتاتے ہیں کہ سیپ کے کئی منہ اور ہر منہ کے چار ہونٹ ہوتے ہیں۔

پرندوں میں ایسے پرندے بھی ہیں جن میں صرف لمس کی حس ہے۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جن میں حواس ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن میں چار حواس ہیں اور صرف بصارت سے محروم ہیں۔ پانچ حواس والے جانوروں سے ہم سب واقف ہیں۔ قدرت کی کاریگری دیکھئے کہ ہر مخلوق وہ دو حواس کی ہو، تین کی ہو، چار حواس کی ہو یا پانچ حواس کی ہو تخلیق کے لحاظ سے مکمل ہے۔

بعض حیوانات چلنے کی بجائے لوٹتے ہیں۔ بعض کیڑے صرف سرکتے ہیں۔ کچھ

پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دوڑتے ہیں۔ پرندے دو پروں سے اڑتے ہیں۔ چار پروں والے پرندے بھی ہوتے ہیں۔ جانوروں کے دو پیر ہوتے ہیں، چار پیر ہوتے ہیں، چھ پیر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اس دنیا میں ہزار پیروں والے جانور بھی موجود ہیں۔

"کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی، آسمان کو کس طرح رفعت دی گئی، پہاڑ کیسے نصب کئے گئے اور زمین کیوں کر بچھ گئی۔ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی صناعی کی یہ داستان لوگوں کو سنائیں۔" (سورۂ غاشیہ)

پہاڑوں سے مختلف معدنی چشمے نکل کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر چیل اور دیودار ایسے درخت اُگتے ہیں۔ کوئلہ، چاک، چونا، تانبا، سونا، لوہا اور دیگر معدنیات پہاڑوں کی آغوش سے ہی دستیاب ہوتی ہیں۔ یہ پہاڑ کروڑوں سال سمندر کے نیچے رہے اور جوان ہونے کے بعد اپنے پہلو میں معدنیات کے خزانے لے کر اس دنیا پر ظاہر ہوئے۔

قادرِ مطلق، حقیقی صناع، واجب الوجود اللہ ارشاد کرتا ہے:۔

"ہم نے ہر چیز کو پانی کی بدولت زندگی بخشی۔" (سورۂ انبیاء)

انسان قدرت کا ایک حیرت انگیز اعجاز ہے۔ ماہرین نے یہ راز افشا کیا ہے کہ انسان کی تخلیق میں کھربوں خلیے کام کرتے ہیں۔ پہلے یہ خلیہ ایک ہوتا ہے، پھر دو، پھر چار، پھر آٹھ میں ضرب ہو کر جسم انسانی کی تشکیل کرتا ہے۔ کچھ خلیے ناک، کچھ کان، کچھ آنکھ اور کچھ دوسرے اعضا کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ عقل محوِ حیرت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا، نہیں ہوا کہ یہ خلیے ناک کی جگہ کان اور کان کی جگہ آنکھیں

بنا دیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے ایک یکتا اور واحد آنکھ ان کی نگرانی کرتی ہے اور یہ نگرانی ہمہ وقت محیط ہے۔

"ارض و سما کی ہر چیز مشیتِ ایزدی کے تابع ہے۔" (آل عمران)

ناشکری

وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جو تم کو پینے کو ملتا ہے اور اسی سے درخت پیدا ہوئے جن میں تم چرنا رے چھوڑ دیتے ہو وہ اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ بے شک اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل موجود ہے۔ (قرآن)

بارش کے بعد آسمان کھل جاتا ہے اور ہوا بادلوں کو اُڑا کر لے جاتی ہے۔ نہ مسلسل بارش برستی ہے اور نہ آسمان کھلا ہی رہتا ہے۔ دونوں حالتیں یکے بعد دیگرے واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اگر بارش لگاتار برستی رہے تو سبزیاں اور ترکاریاں اور ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لئے درکار غلے گل جائیں گے اور آمد و رفت کے راستے مخدوش ہو جائیں گے۔ کاروبارِ حیات میں رخنہ در آئے گا۔ اس کے برعکس اگر بارش برسنا ہی بند ہو جائے اور آسمان کھلا رہے تو چشموں اور جھیلوں کا پانی سڑ کر خشک ہو جائے گا، ہوا میں زہرناکی شامل ہو جائے گی اور اس طرح روئے زمین پر بیماریاں پھیل جائیں گی، چراگاہیں سوختہ ہو جائیں گی، پھول پھلواری نہیں رہے گی تو مکھیاں پھولوں سے شہد حاصل نہیں کر سکیں گی اور اس طرح شہد کی پیداوار ہی ختم

ہو جائے کی جس میں انسانوں کے لئے شفا رکھ دی گئی ہے۔

اُتارتا ہے اندازہ سے جس کو چاہتا ہے، وہ اپنے بندوں سے باخبر
ہے اور اُن کو دیکھتا ہے۔ (قرآن)

ہر جاندار کی زندگی کا مدار ہوا پر ہے۔ اگر ہوا ایک لمحہ کے لئے بھی رُک جائے تو ہر جاندار کے اوپر موت وارد ہو جائے۔ پانی جس کی اہمیت کا تذکرہ ہو چکا ہے اس کو آسمان سے لانے میں اسی ہوا کا عمل دخل ہے۔ پہلے حرارت کو سورج کی مدد سے بخارات میں تبدیل کر کے بلندی کی طرف اڑاتی ہے اور ان بخارات کا ذرہ ذرہ کر کے بادل بناتی ہے، پھر ان بادلوں کو فضا میں پھیلاتی پھراتی ہے اور اِدھر اُدھر لے جاتی ہے۔ اور یہ بخارات بارش کے قطرے بن کر زمین کو جل تھل کرتے رہتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

مشرقی ہوا بادلوں کو اوپر کی جانب جنبش دیتی ہے، شمالی ہوا بادلوں کے ٹکڑوں کو یکجا کرتی ہے، جنوبی ہوا ان کو برسنے کے قابل بناتی ہے۔ پھر مغربی ہوا قطرات کی صورت میں بارش سے زمین کو سیراب کرتی ہے۔

ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں اور پھر ہم
ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور
تم اتنا پانی جمع کر کے نہ رکھ سکتے تھے۔ (قرآن)

ہوا ہی بادلوں کو اُڑا کر مختلف مقامات پر لے جاتی ہے اور کاشت کار زمین میں سے غلّہ اُگاتے ہیں۔ اگر ہوا نہ ہوتی تو بادل بوجھل بن کر ایک جگہ ٹھہرے رہتے اور زمین ان کے پانی سے سیراب نہ ہوتی۔ نیز کشتیاں بھی ہوا ہی کے رحم و کرم پر چلا پھرا کرتی

ہیں۔ ہوا ان کو ایک ملک سے دوسرے ملک لے جا کر جگہ جگہ انسانی ضروریات کا مال و اسباب فراہم کرتی ہیں اور یوں ہر ملک دوسرے ملک کی پیداوار سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اگر ہوا نہ ہوتی تو ہر ملک کی پیداوار سے صرف مقامی مخلوق ہی فائدہ اُٹھاتی۔

ہوا صفائی اور پاکیزگی پیدا کرتی ہے۔ گندگی اور عفونت کو اُڑا کر لے جاتی ہے۔ ہوا گرد و غبار اور ریت اُڑا کر باغوں میں لاتی ہے اور اس سے درخت اپنے لئے انرجی اور توانائی حاصل کرتے ہیں۔

ہوا سطح سمندر پر چلتی ہے تو پانی ہوا کے زور سے کتنی ہی حقیر چیزیں ساحل پر لا ڈالتا ہے۔ یہ سب اس خداوند قدوس کی حکمت و مصلحت ہے جس کی زبردست تدبیر سے نظام عالم چل رہا ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ !

حیرت کا مقام ہے کہ کارخانۂ قدرت کی ایک ایک چیز کیا کیا حیرت انگیز کام کر رہی ہے اور اشرف المخلوقات انسان کی حیات کے لئے سرگرداں ہے۔

اے انسان !

کچھ تو غور کر کہ تو کن کن طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر رہا ہے۔

آئینہ

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے:

تین باتیں ہلاکت میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

۱۔ ایسی خواہش انسان جس کا غلام بن کر رہ جائے۔

۲۔ ایسی حرص جس کو پیشوا مان کر آدمی اس کی پیروی کرنے لگے۔

۳۔ خود پسندی۔ اور یہ بیماری سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

احتساب ایک ایسا عمل ہے جو تمام فاسد مادوں سے انسان کو پاک کر دیتا ہے۔ قوم میں توانائی اور زندگی کی روح پھونک دیتا ہے۔ اچھا دوست وہ ہے جو دوستوں کے احتساب پر خوش ہو اور اپنی اصلاح کی کوشش کرے لیکن ساتھ ہی یہ عمل اختیار کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر دوستوں کے دامن پر دھبے نظر آئیں تو ان کا اظہار اس طرح نہ کیا جائے کہ دوست کے دل پر میل آجائے۔ داغ دھبوں کو دھونے کی حکیمانہ تدبیریں بہترین دوستی ہے۔ جہاں آپ دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، وہاں اپنے دوستوں کو یہ موقع بھی دیجئے کہ وہ آپ کے اندر اٹھتے ہوئے تعفن اور کثافت کو آپ کے اوپر نمایاں کریں۔ اور جب وہ یہ تلخ فریضہ ادا کریں تو نہایت عالی ظرفی، خوش دلی اور احسان مندی سے ان کی تنقید کا خیر مقدم کیجئے۔ اور ان کے اخلاص و کرم کا شکریہ ادا کیجئے۔ رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثالی دوستی کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔

"تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو اسے دور کر دے۔" (حدیث)

روحانی قانون کے تحت ہر آدمی ایک آئینہ ہے۔ آئینہ کی شان یہ ہے کہ جب آدمی آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو آئینہ تمام داغ دھبے اپنے اندر جذب کر کے نظر کے سامنے لے آتا ہے اور جب آدمی آئینہ کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو آئینہ اپنے اندر جذب کئے ہوئے یہ دھبے یکسر نظر انداز کر دیتا ہے جس طرح

آئینہ فراخ حوصلہ ہے آپ بھی اسی طرح اپنے دوست کے عیوب اس وقت واضح کریں جب وہ خود کو تنقید کے لئے آپ کے سامنے پیش کر دے اور فراخ دلی سے تنقید و احتساب کا موقع دے۔ نصیحت کرنے میں ہمیشہ نرمی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیجئے۔ اگر آپ یہ محسوس کرلیں کہ اس کا ذہن تنقید برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اپنی بات کو کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھیں۔ اس کی غیر موجودگی میں آپ کی زبان پر کوئی ایسا لفظ نہ آئے جس سے اس کے عیب کی طرف اشارہ ہوتا ہو۔ اس لئے کہ یہ غیبت ہے اور غیبت سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ دوست کی تمام زندگی میں جو عیوب آپ کے سامنے آئیں صرف ان ہی کی نشاندہی کیجئے۔ پوشیدہ عیبوں کے تجسس اور ٹوہ میں نہ لگئے۔ پوشیدہ عیبوں کو کریدنا بدترین، تباہ کن اور اخلاق سوز عیب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار منبر پر تشریف فرما ہو کر انہوں نے حاضرین کو بلند آواز میں تنبیہ فرمائی :۔

"مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کے پوشیدہ عیوب کے درپے ہوتا ہے تو پھر خدا اس کے چھپے ہوئے عیوب کو طشت از بام کر دیتا ہے اور جس کے عیب افشا کرنے پر خدا متوجہ ہو جائے تو اس کو رسوا کر کے ہی چھوڑتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر ہی بیٹھ جائے۔

مُردہ دلی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جیسے
عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنتی ہے اور ہر
اینٹ دوسری اینٹ کو قوت پہنچاتی ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست فرما کر مسلمانوں کے باہمی تعلق اور اخوت و محبت کی مثال دی۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

تم مسلمانوں کو باہم رحم دلی، الفت و محبت اور آپس میں تکلیف و راحت کے جذبات میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارا جسم بیماری اور بے چینی میں اس عضو کا شریک بن جاتا ہے۔

حق و صداقت کے پیکر، پیارے نبی، معلمِ اخلاق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر مثبت طرزِ فکر اختیار کیجئے، اور

دوستوں سے خوش دلی، نرم خوئی اور مسرت و اخلاص سے ملئے، توجہ اور کھلے دل سے ان کا استقبال کیجئے۔ ملاقات کے وقت اور دوستوں کے معاملات میں لاپروائی، بے نیازی اور روکھا پن اختیار نہ کیجئے۔ دوستوں سے لاپروائی، بے نیازی سپاٹ اور خشک لہجے میں گفتگو کرنا، چہرہ اور پیشانی پر بظاہر نظر نہ آنے والا منافقت کا عکس ایسی بیماریاں ہیں جو دلوں میں کدورت کو جنم دیتی ہیں اور جن سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور غیروں سے ملاقات کے وقت مسرت و اطمینان اور انکساری سے بات کیجئے۔ حزن و ملال اور مردہ دلی کے کلمات ہرگز زبان

پر نہ لائیے۔ ایسا انداز اختیار کیجئے کہ آپ کے ناخوش اور پژمردہ دل دوست بھی اپنے اندر خوشی اور پُرمسرت زندگی کی لہریں محسوس کریں۔ استقبال کے وقت افسردہ چہرہ آنے والے کے لئے خوشی کی بجائے رنج و ملال کا باعث بنتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں تمہیں اس آدمی کی پہچان بتاتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے
اور وہ آگ پر حرام ہے اور یہ وہ آدمی ہے جو نرم مزاج، حلیم الطبع
اور نرم خو ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی سے ملاقات فرماتے تو پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور جب کوئی آپ سے بات کرتا تو آپ پوری طرح متوجہ ہو کر اس کی بات سنتے۔

خدا کی راہ میں

فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیجئے۔ ان کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئیے۔ اگر آپ کے پاس کچھ دینے کو نہ ہو تو نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے معذرت کیجئے تاکہ وہ آپ سے کچھ نہ پانے کے باوجود آپ کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو۔ فلاح اور کامرانی کے وہی لوگ مستحق ہوتے ہیں جو بخل اور تنگ دلی جیسے جذبات سے اپنے دل کو پاک رکھتے ہیں۔ ایمان دار جو خدا کی راہ میں دینے کی تڑپ رکھتا ہے وہ بھلا کب گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی کمائی میں حرام مال شامل ہو۔

خدا کی راہ میں اپنے عطیات انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح خرچ کیجئے۔

اس عملِ خیر سے ملک و قوم میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

اس بات کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کا ہاتھ دینے والا ہاتھ بنایا ہے۔ آپ میں کوئی سُرخاب کا پر لگا ہوا نہیں ہے کہ آپ اس گروہ میں شریک نہیں ہیں جو محتاج اور نادار ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، اگرچہ آپ بھی کسی فقیر اور نادار کی طرح ایک آدمی ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قیامت کے دن جب کہیں سایہ نہیں ہوگا، خدا اپنے اس بندے کو عرش کے نیچے رکھے گا جس نے انتہائی پوشیدہ طریقوں سے خدا کی راہ میں خرچ کیا ہوگا۔ یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوگی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

غرور

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

جس شخص نے وسعت اور قدرت کے باوجود محض خاکساری اور عاجزی کی غرض سے لباس میں سادگی اختیار کی تو خدا اسے شرافت اور بزرگی کے لباس سے آراستہ فرمائے گا۔ لباس کی سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

خدا کے بہت سے بندے جن کی ظاہری حالت نہایت ہی معمولی ہوتی ہے مالی طور پر پریشان اور اُن کے کپڑے غبار میں اَٹے ہوئے معمولی اور سادہ ہوتے ہیں، لیکن خدا کی نظر میں ان کا مرتبہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو خدا اُن کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

جو شخص کسی مسلمان کو کپڑے پہنا کر اس کی تن پوشی کرے گا، خدا تعالےٰ قیامت کے روز جنت کا لباس پہنا کر اس کی تن پوشی کرے گا۔

ملازم اور نوکر تمہارے بھائی ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، ویسا ہی لباس ان کو پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ ان کے اوپر کام کا بوجھ اتنا نہ ڈالو جو اُن کے سہارنے سے باہر ہو۔

جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں، اس کے جوتے عمدہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا خود صاحبِ جمال ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ غرور تو دراصل یہ ہے کہ آدمی حق سے بے نیازی برتے اور لوگوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر جانے۔

رمضان

رمضان کی آخری تاریخ کو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "لوگو! تم پر ایک بہت عظمت و برکت کا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔"

خدا نے اس مہینہ میں اپنے بندوں پر روزے فرض کئے ہیں۔ قرآن پاک اس مہینہ میں نازل ہوا۔ دوسری آسمانی کتابیں بھی اس مہینہ میں نازل ہوئیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو رمضان کی پہلی یا تیسری تاریخ کو صحیفے عطا کئے گئے۔ حضرت داؤدؑ کو رمضان المبارک میں ۱۲ یا ۱۸ کو زبور دی گئی۔ اسی مہینہ کی ۱۶ تاریخ کو حضرت موسیٰؑ

کو توریت دی گئی اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی اسی رمضان المبارک کے مہینے کی ۱۲ یا ۱۳ کو انجیل دی گئی۔ مختصر یہ کہ رمضان جس میں نازل ہوا قرآن ایک پُر عظمت اور فضیلت و حکمت سے معمور مہینہ ہے جو انسانی شعور کو مصفّٰی اور صیقل بنا دیتا ہے۔ محض اللہ کے لئے بھوکے پیاسے رہنے سے آدمی کی رُوح آسمانوں کی وسعتوں میں پرواز کرکے عرش کی رفعتوں کو چھو لیتی ہے۔ یہی وہ باسعادت مہینہ ہے جس میں حضرت جبریلؑ نبی مکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے تھے۔

آپ بھی قرآن ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھیئے۔ اس عمل سے خدا کے ساتھ بندہ کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

دل کھول کر غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور ناداروں کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیجئے۔ فیاضی اور سخاوت کے پیکر، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

آیئے ہم بھی عہد کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ پر عمل کرکے اپنے غریب بھائیوں کی ہر طرح مدد کریں گے۔

قبرستان

تاجدارِ دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبر کے پاس بیٹھ کر فرمایا۔ قبر روزانہ انتہائی بھیانک آواز میں پکارتی ہے، اے آدم کی اولاد! کیا تو مجھے بھول گئی؟ میں تنہائی کا گھر ہوں، میں اجنبیت اور وحشت کا مقام ہوں، میں

کیڑے مکوڑوں کا مکان ہوں، تنگی اور مصیبت کی جگہ ہوں۔ ان خوش نصیبوں کے علاوہ جن کے لئے خدا مجھ کو کشادہ اور وسیع کردے، میں سارے انسانوں کے لئے ایسا ہی تکلیف دہ ہوں۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنّت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ۔"

ایک بار حضرت علی رضؓ قبرستان میں تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ حضرت کمیل رضؓ بھی تھے۔ قبرستان پہنچ کر آپؓ نے ایک نظر قبروں پر ڈالی اور پھر قبر والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے قبر میں بسنے والو! اے کھنڈروں میں رہنے والو! اے وحشت اور تنہائی میں رہنے والو! کہو تمہاری کیا خبر ہے؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ مال تقسیم کر لئے گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے۔ یہ تو ہمارا حال ہے۔ اب تم بھی تو اپنی کچھ خیر خبر سناؤ۔" پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے، اس کے بعد حضرت کمیل رضؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ "کمیل! اگر ان قبروں کے باشندوں کو بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ کہتے کہ بہترین توشہ پرہیزگاری ہے۔" یہ کہہ کر حضرت علی رضؓ رونے لگے اور دیر تک روتے رہے۔ پھر بولے۔ "کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت ہی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔"

موجودہ زمانہ میں یہ بات عام ہوتی جارہی ہے کہ لوگ قبرستان میں سگریٹیں پیتے ہیں، لاپروا لوگوں کی طرح ہنسی مذاق کرتے ہیں، دنیا اور لوازماتِ دنیا کی باتیں کرتے ہیں جب کہ قبر آخرت کا دروازہ ہے۔ اس دروازہ کو دیکھ کر آخرت کی فکر کیجئے۔

قرآن اور تسخیری فارمولے

ہمارے آقا سرورِ کونین محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنِ پاک سے بہت شغف تھا۔ آپؐ نہ صرف قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ دوسروں سے بھی سن کر خوش ہوتے تھے۔ ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبرئیلؑ آپؐ کو قرآنِ پاک سناتے تھے۔ حالتِ قیام میں بھی آپؐ قرآنی آیات نہایت انہماک اور توجہ سے پڑھتے تھے اور ایک ایک حرف واضح، ایک ایک آیت الگ ہوتی تھی۔ آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ——

"اپنی آواز اور اپنے لہجے سے قرآن کو آراستہ کرو۔"

رحمت للعالمینؐ نے یہ بشارت بھی دی ہے کہ ——

"قرآنِ پاک پڑھنے والوں سے قیامت کے روز کہا جائے گا جس ٹھہراؤ اور خوش الحانی سے تم دنیا میں بنا سنوار کر قرآن پڑھا کرتے تھے اسی طرح قرآن کی تلاوت کرو اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا تمہاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔"

قرآنِ کریم تھوڑا تھوڑا روز پڑھیئے اور اس کے معانی اور حکمتوں میں غور کیجئے، نہ یہ کہ جلدی جلدی وافر حصّہ تلاوت کر لیا جائے اور معانی میں غور و فکر نہ کیا جائے۔ قرآنِ پاک میں تسخیری علوم و فارمولوں کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ جتنی ذہنی توجہ اور اخلاص سے ہم اس کو تلاش کریں گے اتنا ہی ہم پر یہ منکشف ہوتا جائے گا۔ حضرت

عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میں "القارعہ" اور "القدر" جیسی چھوٹی سورتوں کو معانی اور مفہوم کے اعتبار سے سوچ سمجھ کر پڑھنا اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ "البقرہ" اور "آل عمران" جیسی بڑی بڑی سورتیں جلدی جلدی پڑھ جاؤں اور کچھ نہ سمجھوں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک مرتبہ ساری رات ایک ہی آیت تلاوت فرماتے رہے۔

"اے خدا! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو انتہائی زبردست اور نہایت حکمت والا ہے۔"

اچھا دوست

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اچھے دوست کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے کی دکان کہ کچھ فائدہ نہ بھی ہو تو خوشبو تو ضرور آئے گی اور بُرا دوست ایسا ہے جیسے بھٹی سے آگ نہ لگے تب بھی دھوئیں سے کپڑے تو ضرور کالے ہو جائیں گے۔"

دوستوں کے انتخاب میں اس بات کو پیشِ نظر رکھئے کہ جس سے آپ تعلق بڑھا رہے ہیں اس کے رجحانات اور اس کی سوچ کیسی ہے؟ اس کے خیالات تعمیری اور صحت مند ہیں یا نہیں؟ اللہ اور اس کے رسولؐ کے معاملے میں اس کے

اندر کتنا ایثار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو غور کر لینا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔"

دوستوں سے ربط و ضبط اور تعاون بالخصوص، اور دیگر لوگوں سے محبت بالعموم محض اللہ کی رضا کے لئے رکھیئے۔ اس میں منفعت اور غرض کا پہلو ہرگز نہ ڈھونڈھیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قیامت میں خدا فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف میرے لئے لوگوں سے محبت کیا کرتے تھے۔ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔"

اپنی اور اپنے دوستوں کی مصروفیات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے معاملات کو مرکزی حیثیت دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں ان لوگوں سے محبت کروں جو لوگ میری خاطر آپس میں محبت اور دوستی کرتے ہیں اور میرا ذکر کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اور میری محبت کے سبب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری خوشنودی چاہنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔"

موت سے نفرت

زندگی میں مومن کو جو کارنامے انجام دینا ہیں اور فی الارض خلیفہ کی جس

عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ جسم میں جان ہو، ارادوں میں مضبوطی ہو، حوصلوں میں بلندی ہو اور زندگی ولولوں، امنگوں اور اعلیٰ جذبات سے بھرپور ہو۔ صحت مند اور زندہ دل افراد سے ہی زندہ قومیں بنتی ہیں اور ایسی ہی قومیں اعلیٰ قربانیاں پیش کر کے اپنا مقام پیدا کرتی ہیں۔ مسلمان کا مقصد حیات جب دنیا بن جاتا ہے تو وہ غم و غصہ، رنج و فکر، حسد، جلن، بدخواہی، تنگ نظری، مُردہ دلی اور دماغی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ اخلاقی بیماریاں اور ذہنی الجھنیں معدے کو بُری طرح متاثر کرتی ہیں۔ اور معدے کا فساد، صحت کا بدترین دشمن ہے۔ صحت خراب ہو جاتی ہے تو آدمی بزدل ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر خوف چھایا رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری قومیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

کسی نے پوچھا: "یا رسول اللہ! کیا اس زمانے میں ہماری تعداد اتنی کم ہو جائے گی کہ ہمیں نگل لینے کے لئے قومیں متحد ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں گی؟"

ارشاد فرمایا: "نہیں۔ اس وقت تمہاری تعداد کم نہ ہو گی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہو گے، البتہ تم سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح بے وزن ہو گے۔ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کرے گی۔"

اس پر ایک آدمی نے عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ! یہ پست ہمتی کس وجہ سے آجائے گی؟"

رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ "اس وجہ سے کہ تم دُنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگو گے۔"

خطاکار انسان

خدا کو سب سے زیادہ خوشی جس چیز سے ہوتی ہے وہ بندے کی توبہ ہے۔ توبہ کے معنی ہیں پلٹنا، رجوع کرنا۔ بندہ جب فکر و جذبات کی گمراہی میں مبتلا ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنستا ہے تو وہ خدا سے بچھڑ جاتا ہے اور بہت دُور جا پڑتا ہے، گویا خدا سے وہ گم ہو گیا اور جب وہ پھر پلٹتا ہے اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یوں سمجھئے کہ گویا خدا کو اپنا گم شدہ بندہ مل گیا۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"خدا رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ جس شخص نے دن میں کوئی گناہ کیا ہے وہ رات میں خدا کی طرف پلٹ آئے اور دن میں وہ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں اگر کسی نے گناہ کیا ہے تو وہ دن میں اپنے رب کی طرف پلٹے اور گناہوں کی معافی مانگے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔"

ہاتھ پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنی رحمت سے ان کے گناہوں کو ڈھانپنا چاہتا ہے۔

آپؐ کا یہ بھی فرمان ہے کہ:

"سارے کے سارے انسان خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی و اطاعت کا پیمان باندھنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ وَاَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

دوزخی لوگوں کی خیرات

"اے رسولؐ! انسانوں کو حکم دے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ خدا نے کس طرح آفرینش کی ابتدا کی۔" (عنکبوت)

"کیا یہ لوگ آسمان و زمین کی تخلیق پر غور نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے۔" (اعراف)

"غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سُرخ اور سیاہ رنگ پتھروں کی تہیں موجود ہیں نیز انسانوں، چوپایوں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔" (فاطر)

ان آیات مبارکہ سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، کتاب الٰہی

اور کائنات کی تخلیق پر تفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ خالق کائنات کی یہ دلی خواہش ہے کہ اس کے بندے تفکر کو اپنا شعار بنالیں تاکہ یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ:

"ہم نے آدم کو علم الاسماء سکھا دیا۔ پھر فرشتوں سے کہا تم بیان کرو اس علم کو اگر تم سچے ہو۔" (سورۂ بقرہ)

جو قومیں اللہ کی آیات اور مطالعۂ کائنات میں غور و فکر کرتی ہیں، کائناتی حقائق اُن کے سامنے آجاتے ہیں۔ ایسی قومیں جو کائناتی حقیقتوں کو تلاش کرکے اپنا کردار ادا کرتی ہیں معزز اور محترم بنادی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو قوم مُردہ دل ہو کر اپنی سوچ اور اپنی فہم کا محور ریاکاری کو بنالیتی ہے اس کے اوپر ذلّت اور رسوائی کا عذاب نازل کردیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تمام کائنات اور زمین کے خزانے تمہارے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔" (سورۂ بقرہ)

"انسان سے آنکھ، کان اور دل کے متعلق باز پرس ہوگی۔"

(بنی اسرائیل)

آج کے ترقی یافتہ دَور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہی قوم سربلند اور معزز و محترم ہے جو صحیح معنوں میں آنکھ، کان اور دل کا استعمال کر رہی ہے۔ یہ ساری سائنسی ترقیاں اسی لئے وجود میں آتی ہیں کہ ایک قوم کے افراد نے اللہ کی بخشی ہوئی اس نعمت کو عقل و شعور اور تفکر کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

"ہم نے فولاد پیدا کیا جو ایک پر ہیبت اور نہایت مفید دھات ہے۔" (سورۂ حدید)

سائنس کی کون سی ترقی ہے جس میں کسی نہ کسی طرح دھات کا عمل دخل نہ ہو۔ ہوائی جہاز، پانی کے جہاز، ریل کی پٹری، موٹر کاریں، دیو ہیکل مشینیں، چھوٹی بڑی فیکٹریاں، آگ اُگلنے والے اسلحہ جات۔۔۔ کیا یہ سب ہمارے لئے درسِ عبرت نہیں ہیں؟ قرآن ہمارا ہے، اللہ ہمارا ہے، آیت ہمارے قرآن کی ہے۔ لیکن چوں کہ ہم تفکر سے عاری ہیں اور دوسری قومیں تفکر سے معمور ہیں اس لئے ہم محروم ہیں اور وہ آسودہ ہیں، ہم ذلیل و خوار ہیں وہ باعزت ہیں۔ ہم بھکاری ہیں اور وہ ہمیں خیرات دینے والے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمان جنتی ہیں اور اغیار دوزخی ہیں؟ عقل حیران ہے کہ یہ کیسی منطق ہے! دوزخی لوگوں کی خیرات پر جنتی لوگوں کی گزر بسر ہے، جنتی لوگ دوزخی لوگوں کی اُترن پہنتے ہیں۔ جنتی لوگ ہر ہر معاملہ میں دوزخیوں کے دست نگر ہیں۔

کائناتی تفکر نہ ہونے سے ہم ایک ایسی قوم بن گئے ہیں جس کا کوئی مقام زمین پر ہے نہ آسمانوں میں اس کی کوئی شنوائی ہے۔ تفکر اور تدبّر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق، قرض، آدابِ معاشرت وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں اور کائنات پر تفکر کرنے سے متعلق آیات کی تعداد سات سو چھپن ہے۔

"ارض و سما کی تخلیق اور اختلافِ لیل و نہار میں عقل مندوں کے لئے آیات موجود ہیں۔" (آل عمران) "ارض و سما کی تخلیق، اختلافِ لیل و نہار، سمندروں میں تیرنے والی مفید کشتیوں اور اس گھٹا میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ آرا ہے ارباب عقل و خرد کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔" (البقرہ)

معاشیات

کاروبار میں حسنِ اخلاق کاروباری ترقی کے لئے ضمانت ہے۔ دکاندار کی حیثیت سے آپ کے اوپر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

۱۔ یہ کہ خریداروں کو اچھے سے اچھا مال فراہم کریں۔ جس مال پر آپ کو خود اعتماد نہ ہو وہ ہرگز کسی کو نہ دیں۔

۲۔ آپ کو اپنے کردار سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ خریدار آپ کے اوپر اعتماد کریں، آپ کو اپنا خیر خواہ سمجھیں، آپ سے متاثر ہوں اور ان کو پورا پورا اعتماد ہو کہ آپ کی دکان یا کاروبار سے انہیں کبھی دھوکا نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ اگر کوئی خریدار آپ سے مشورہ طلب کرے تو بالکل صحیح صحیح اور مناسب مشورہ دیں چاہے اس میں آپ کا نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

۴۔ وقت کی پابندی کا پورا خیال رکھیں اور دکان صحیح وقت پر کھولیں اور صبر کے ساتھ دکان پر جم کر بیٹھے رہیں۔ صبح بہت سویرے بیدار ہو کر فرائض ادا کرنے کے بعد رزق کی تلاش میں نکل جانے سے خیر و برکت ہوتی ہے۔

۵۔ خود بھی محنت کیجئے اور ملازمین کو بھی محنت کا عادی بنائیے اور ملازمین کے حقوق فیاضی اور ایثار کے ساتھ پورے کیجئے۔ ملازمین کاروباری فروغ میں آپ کے ہاتھ پیر ہیں۔ ہمیشہ ان کے ساتھ پیار و محبت اور نرمی کا سلوک کریں۔

۶۔ قرض مانگنے والوں کے ساتھ سختی نہ کریں۔ قرض کی ادائیگی میں انہیں اگر پریشانی ہو تو ان سے تقاضے میں شدت اختیار نہ کریں۔ اللہ کے حبیبؐ کا فرمان ہے:

جس شخص کی خواہش ہو کہ خدا اس کو روزِ قیامت کے غم اور گھٹن سے بچائے رکھے تو اسے چاہئے کہ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا قرض کا بوجھ اس کے اوپر سے اتار دے۔

۷۔ تول کا حق پورا کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ناپ تول میں، لینے اور دینے دونوں میں پوری دیانت داری اختیار کی جائے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں سے لیتے وقت پورا وزن اور پورا ناپ لیں اور جب دوسروں کو دینے کا وقت آئے تو تول یا ناپ کم کر دیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ زندہ کر کے اٹھائے بھی جائیں گے، ایک بڑے ہی سخت دن میں جس دن تمام انسان اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ (قرآن)

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی حاضر ہوئے۔ نبیٔ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی بات پوچھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا "تمہارے گھر میں کچھ سامان بھی ہے؟"

صحابیٔ رسول نے عرض کیا "یا رسول اللہ! صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک ٹاٹ کا بستر ہے جسے ہم اوڑھتے بھی ہیں اور بچھاتے بھی ہیں اور ایک پانی پینے کے لئے پیالہ ہے۔"

آپؐ نے فرمایا "یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔"

صحابی دونوں چیزیں لے کر حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دونوں چیزیں دو درہم میں نیلام کر دیں اور دونوں درہم ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا "جاؤ!

ایک درہم میں تو کچھ کھانے پینے کے سامان خرید کر گھر والوں کو دے آؤ اور ایک درہم میں کلہاڑی خرید لاؤ۔"

پھر کلہاڑی میں آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دستہ لگایا اور فرمایا "جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاؤ اور بازار میں فروخت کرو اور پندرہ روز کے بعد آکر ساری روئداد سناؤ۔"

پندرہ دن کے بعد جب وہ صحابی حاضر ہوئے تو ان کے پاس دس درہم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "یہ محنت کی کمائی تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرو اور قیامت کے روز تمہارے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ ہو۔"

ایک بار رحمت للعالمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا "یارسول اللہ! سب سے بہتر کمائی کون سی ہے؟"

فرمایا "اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر وہ کاروبار جس میں جھوٹ اور خیانت نہ ہو۔"

اس حکم کی تعمیل میں ہمارے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے کاروبار کریں۔ ہمیشہ سچائی اور راست گوئی سے کاروبار کو فروغ دیں۔ اپنے سامان کو اچھا ثابت کرنے یا گاہک کو متاثر کرنے کے لئے قسمیں نہ کھائیں۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "قیامت کے روز خدا تعالیٰ نہ اس شخص سے بات کرے گا، نہ اس کی طرف رُخ کر کے دیکھے گا اور نہ اس کو پاک

صاف کرے، جنت میں داخل کرے گا جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے کاروبار کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"سچا اور ایماندار تاجر قیامت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ساتھ ہوگا۔"

آدابِ مجلس

حضرتِ حق کے پیغام رساں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس کام کے شروع میں بسم اللہ نہیں کی جاتی وہ ادھورا اور بے برکت رہتا ہے۔ دوسرے کاموں کی طرح جب آپ اپنے کسی عزیز دوست، رشتہ دار یا کسی کاروباری ادارے کو خط لکھیں تو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ضرور لکھیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض حضرات پوری بسم اللہ کی بجائے ۷۸۶ لکھ دیتے ہیں۔ اس سے پرہیز کیجئے۔ اس لئے کہ خدا کے بتائے ہوئے ہر ہر لفظ میں برکت اور حکمت ہے۔

ہر خط میں اپنا پورا پتہ ضرور لکھئے۔ پتہ لکھنے میں سستی نہ کیجئے۔ ممکن ہے کہ مکتوب الیہ کو آپ کا پتہ یاد نہ رہا ہو یا اگر اس نے ڈائری میں لکھا ہوا ہے اور وہ ڈائری گم ہو گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو خط کا جواب دینا ضروری ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کوئی جواب طلب بات لکھی ہو۔ پتہ لکھنے سے انتظار کی زحمت اٹھانا نہیں پڑے گی۔ پتہ ہمیشہ صاف اور خوش خط لکھئے۔ ہر خط اپنے پتہ کے نیچے یا بائیں جانب تاریخ ضرور لکھئے۔ تاریخ لکھنے کے بعد مختصر القاب و آداب کے ذریعے مکتوب الیہ کو مخاطب کیجئے۔

القاب و آداب ایسے لکھیے جس سے خلوص اور قربت محسوس ہو۔ ایسے القاب نہ لکھیے جن سے تصنع اور بناوٹ محسوس ہو۔ القاب کے نیچے دوسری سطر میں السلام علیکم لکھیے۔ خط میں نہایت شستہ، آسان اور سلجھی ہوئی زبان استعمال کیجئے۔ پورے خط میں مکتوب الیہ کے مرتبے کا خیال رکھیے۔ غیر سنجیدہ باتوں سے پرہیز کیجئے۔ غصّہ کے عالم میں خط کبھی نہ لکھیے۔ کسی کا خط بغیر اجازت ہرگز نہ پڑھیے۔ یہ بہت بڑی اخلاقی خیانت ہے۔

کوشش کیجئے کہ آپ کی کوئی مجلس خدا اور آخرت کے ذکر سے خالی نہ رہے اور جب آپ محسوس کریں کہ حاضرین دینی گفتگو میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں تو گفتگو کا رُخ حکمت کے ساتھ ایسے موضوع کی طرف پھیر دیجئے جس میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اسوۂ حسنہ کا تذکرہ ہو۔

مجلس میں ماتھے پر شکنیں ڈالے بیٹھے رہنا غرور کی علامت ہے۔ مجلس میں غمگین اور مضمحل ہو کر نہ بیٹھئے۔ مسکراتے چہرے کے ساتھ ہشاش بشاش ہو کر بیٹھیے۔

السّلامُ علیکمُ

اگر ہم چاہتے ہیں کہ دوسرا شخص ہمارا ہم نوا بن جائے تو ہمیں اس شخص سے قریب ہونا ہوگا۔ اس شخص کے رجحانات کا اندازہ کر کے اور اس کی ذہنی صلاحیتوں کو مدّ نظر رکھ کر اس سے بات کرنی ہوگی۔ اس کے ذاتی معاملات میں اگر وہ چاہتا ہے تو تعاون کر کے اس کی ہمدردیاں حاصل کرنا ہوں گی۔ خدمت اور قلبی لگاؤ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی نہ چاہتے ہوئے بھی دوست بن جاتا ہے۔ اپنے مذہب کی تبلیغ

حکمت کے ساتھ کیجئے۔ جس مسلک اور جس عقیدے پر وہ قائم ہے، براہِ راست اس پر تنقید و تبصرہ نہ کیجئے۔ پہلے کوشش کی جائے کہ وہ آپ کو اپنا ہمدرد اور محسن سمجھے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے اس کی خدمت کی جائے۔

جب آپ کے اوپر اس کا اعتماد بحال ہو جائے، نہایت نرم اور شیریں لہجے میں اُسے نصیحت کیجئے۔ کوئی بات سمجھنے کے لئے وہ بحث مباحثہ کرے تو اپنے مقدور بھر اس کے سوالات کا شافی جواب دیجئے۔ بات کرتے وقت مخاطب کی صلاحیت کو ہرگز نظر انداز نہ کیجئے۔ تبلیغ کی گراں بہا دولت کو جلد بازی، نادانی اور جھنجھلاہٹ سے ضائع نہ کیجئے۔ ہر طبقے، ہر گروہ اور ہر فرد سے اس کی فکری رسائی، استعداد، صلاحیت، ذہنی کیفیت اور سماجی حیثیت کے مطابق بات کیجئے۔ اور ان حقیقتوں کو باہم افہام و تفہیم کے ساتھ دعوت کی بنیاد بنائیے جن میں اتفاق ہو اور جو آپس میں رشتۂ محبت کی راہ ہموار کریں۔ اگر آپ تنقید کریں تو یہ عمل تعمیری ہو، اخلاص و محبت کا آئینہ دار ہو۔ ضد، ہٹ دھرمی، نفرت اور تعصب کے جذبات سے ہمیشہ اپنا دامن بچائے رکھیئے اور جہاں یہ کیفیتیں پیدا ہوتی نظر آئیں، اپنی زبان بند کر لیجئے اور اس محفل سے اُٹھ آئیے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے:-

"اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے پر جو انتہائی بھلا ہو" (النحل)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ

پیارے بیٹے! جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو پہلے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ یہ تمہارے گھر والوں کے لئے خیر و برکت کی بات ہے۔

حضرت اسماء انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنی سہیلیوں میں بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے پاس سے گزر ہوا تو آپؐ نے ہم لوگوں کو سلام کیا۔

حضرت اُمِّ ہانی رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے دریافت فرمایا "کون ہے؟" میں نے عرض کیا "میں اُمِّ ہانی ہوں"۔ فرمایا: "خوش آمدید!"

ہمارے آقا، اللہ کے محبوبؐ کا ارشاد ہے:

"میں تمہیں ایسی تدبیر بتاتا ہوں جس کو اختیار کرنے سے تمہارے مابین دوستی اور محبت بڑھ جائے گی۔ آپس میں کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔" آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سلام کو خوب پھیلاؤ، خدا تم کو سلامت رکھے گا۔

ہر مسلمان کے اوپر دوسرے مسلمان کا یہ حق ہے کہ وہ جب بھی اپنے بھائی سے ملے اُسے سلام کرے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کثرت سے سلام کیا کرتے تھے کہ اگر کسی وقت آپؐ کے ساتھی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے اور پھر سامنے آتے تو رسُولؐ اللہ پھر سلام کرتے۔ ارشاد ہے:

"وہ آدمی خدا سے زیادہ قریب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔" آپؐ نے فرمایا:

"کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تک قطع تعلق کئے رہے کہ جب ملے تو ایک اِدھر کترا جائے اور دوسرا اُدھر

ان میں افضل وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔"

السّلام علیکم ہمیشہ زبان سے کہئے اور ذرا اونچی آواز میں سلام کیجئے تاکہ وہ شخص سُن سکے جس کو آپ سلام کر رہے ہیں۔ البتہ اگر کہیں زبان سے السّلام علیکم کہنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ یا سر سے اشارہ کرنے کی ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً آپ جس کو سلام کر رہے ہیں وہ دُور ہے اور آپ کے ذہن میں یہ بات ہے کہ آپ کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکے گی یا کوئی بہرا ہے اور آپ کی آواز نہیں سُن سکتا، ایسی صورتِ حال میں سلام کے ساتھ ہاتھ یا سر سے اشارہ بھی کیجئے۔

گانا بجانا

خوشی انسان کے لئے ایک طبعی تقاضا اور فطری ضرورت ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان مصنوعی وقار، غیر فطری سنجیدگی، مُردہ دلی اور افسردگی سے قوم کے کردار کی کشش کو ختم کر دیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان بلند حوصلوں، نت نئے ولولوں اور نئی نئی امنگوں کے ساتھ تازہ دَم رہ کر اپنا وقار بلند رکھیں۔

قوم کے کسی فرد کو علم و فضل میں کمال حاصل ہو، کوئی عزیز دوست یا رشتہ دار دُور دراز کے سفر سے واپس آئے، کوئی معزز مہمان آپ کے گھر میں رونق افروز ہو، شادی بیاہ یا بچے کی ولادت کی تقریب ہو، کسی عزیز کو اللہ تعالےٰ صحت عطا کریں، کوئی خبر ایسی ہو جس میں اسلام کی فتح و نصرت کی خوش خبری ہو، کوئی تہوار ہو تو ایسے تمام مواقع پر بھرپور خوشی کا اظہار کرنا ایک مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام نہ صرف خوش رہنے اور خوشی منانے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کو عین دینداری قرار

دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا۔ کچھ کنیزیں میٹھی اشعار گا رہی تھیں کہ اسی دوران حضرت ابوبکر رضؓ تشریف لے آئے۔ بولے۔ "نبیؐ کے گھر میں یہ گانا بجانا کیسا ؟"

نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "ابوبکر! رہنے دو۔ ہر قوم کے لئے تہوار کا ایک دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔"

ایک مرتبہ تہوار کے دن کچھ حبشی بازیگر کرتب دکھا رہے تھے۔ آپؐ نے یہ کرتب خود بھی دیکھے اور حضرت عائشہ رضؓ کو بھی دکھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بازیگروں کو شاباش بھی دی۔

خوش رہنا اور دوسروں کو خوش رکھنا مسلمان کا اخلاقی کردار ہے۔ مسلمان کی یہ شان ہے کہ وہ خوشی میں بھی اسلامی و روحانی ذوق اور حفظِ مراتب کا خیال رکھتا ہے۔ جب اُسے خوشی ملتی ہے تو اس بندہ کا صدق دل سے شکر ادا کرتا ہے۔ خوشی کے ہیجان میں ایسا کوئی عمل یا رویّہ اختیار نہیں کرتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ ہر حال میں اعتدال کا راستہ اس کے سامنے رہتا ہے۔ خوشی میں وہ اتنا مست و بے خود نہیں ہو جاتا کہ اس سے فخر و غرور کا اظہار ہونے لگے، نیازمندی اور بندگی کے جذبات دبنے لگیں۔

مخلوق کی خدمت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

"میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا۔ کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑوں پتنگوں کو روک رہا ہے لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوشش کو ناکام بنائے دیتے ہیں اور آگ میں گھسے پڑ رہے ہیں (اسی طرح) میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑ رہے ہو۔"

آپؐ مکّے میں ہیں اور مکّے کے لوگوں میں آپؐ کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ انہیں شہر سے نکال دو، کوئی کہتا ہے انہیں قتل کر دو۔ ان ہی دنوں مکّے کو اچانک قحط نے آگھیرا۔ ایسا قحط کہ قریش کے لوگ پتّے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بچے بھوک سے بلبلاتے اور بڑے ان کی حالتِ زار دیکھ کر تڑپ تڑپ اُٹھتے تھے۔

رحمتِ کون و مکاں ان لوگوں کو اس لرزہ خیز مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ آپؐ کے مخلص ساتھی بھی آپؐ کا اضطراب دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ آپؐ نے اپنے جانی دشمنوں کو، جن کے پہنچائے زخم ابھی بالکل تازہ تھے، اپنی دلی ہمدردی کا پیغام بھیجا۔ اور ابوسفیان اور صفوان کے پاس پانچ سو دینار بھیج کر کہلوایا کہ یہ دینار ان قحط کے مارے ہوئے غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے آپ بھی قوم کی بے لوث خدمت کیجئے۔ اپنی کسی خدمت کا بندوں سے صلہ طلب نہ کیجئے۔ جو کچھ کیجئے خدا کی خوشنودی کے لئے کیجئے۔

خدا ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ نہ اُسے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ اُس کی نظر

سے بندہ کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے مخلص بندوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، پیدائش سے تا مرگ اور مرنے کے بعد اپنی مخلوق کے لئے وسائل کی فراہمی ایک ایسی خدمت ہے جو خالق کائنات کا ایک ذاتی وصف ہے۔ اللہ اپنے ہر بندہ کو، وہ گناہگار ہو یا نیکوکار، رزق عطا فرماتا ہے۔ رزق سے استفادہ کرنے کے لئے صحت عطا کرتا ہے۔ زمین کی بساط پر بکھری ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اللہ عقل و شعور کی دولت سے نوازتا ہے، ہماری ہر طرح حفاظت کرتا ہے اور محبت کے ساتھ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کرتا ہے۔

نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ رب العالمین کے دوست رحمت للعالمین ہمارے نمونہ کا ایک ایک قطرہ ان پر نثار ہو، سعیٔ پیہم، جہدِ مسلسل، توجہ خالص اور یقین و عمل کا مجسمہ تھے۔ جب عبادت کی طرف رجوع ہوتے تو اپنی ساری توجہ اسی طرف مرتکز کر دیتے اور جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھتے۔ جب آپؐ کسی سے گفتگو فرماتے تو اپنا سارا دھیان مخاطب کی طرف مرکوز کر دیتے۔ جب تک خود مخاطب گفتگو ختم نہ کرتا، آپؐ اس سے گفتگو فرماتے رہتے۔

نماز آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے لئے طمانیت تھی۔ آپؐ ان عبادت گزاروں میں نہیں تھے جو رہبانیت اختیار کر کے گوشہ نشیں ہو جاتے ہیں۔ حقوق العباد پورے کرنے کا بدرجہ اتم اہتمام فرماتے تھے۔ روحانی واردات و کیفیات کی لذت سے سرشار ہو کر دنیا کی لذتوں کو خیرباد نہیں کیا۔ دنیا کے تمام امور کی انجام دہی اور زندگی کی دیگر ضروریات و علائق سے وابستہ ہو کر دینی فرائض اور بالخصوص انتہا درجے کی عبادت کرتے تھے۔

ایک طرف ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل و عیال، خاندان اور مسکینوں کی تربیت و سرپرستی کرتے تھے تو دوسری جانب امت کے اہم امور انجام دیتے تھے۔ سیاسی و حکومتی ذمہ داریاں بھی پوری فرماتے تھے۔ بادشاہوں کے پاس اپنے سفیر روانہ کرتے اور انہیں اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ الغرض آپؐ نے ہر شعبۂ حیات میں جو مثالی کردار پیش کیا ہے وہ بلاشبہ تاریخ عالم میں ایک سنہرا باب ہے۔

تین اشخاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آئے اور آپؐ کی ازواج مطہراتؓ سے آپؐ کی عبادت کا حال پوچھا۔ جب انہوں نے آپؐ کی عبادت کے بارے میں بتایا تو ان میں سے ایک نے کہا۔ "میں ہمیشہ رات بھر نماز میں پڑھتا رہوں گا" دوسرے نے کہا۔ "میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور افطار نہ کروں گا" تیسرے نے کہا۔ "میں کبھی شادی نہ کروں گا"

اللہ پاک کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔ "کیا تم لوگوں نے ایسا کہا ہے؟ سنو! قسم اللہ کی میں تم سے زیادہ اللہ کا احترام کرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی قائم کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، شادی بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میرے طرزِ عمل سے روگردانی کرے گا

وہ میری امت سے نہیں۔"

یہی وہ میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ زندگی کی روش جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں قائم رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ آپؐ کو ہمیشہ خیال رہتا تھا کہ کہیں لوگ اعتدال کی راہ سے نہ ہٹ جائیں۔ جس طرح آپؐ دنیاوی امور انجام دیتے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے میں لاثانی تھے، اسی طرح آپؐ کی عبادت اور اطاعتِ خداوندی بے مثال تھی۔

ارشادِ خداوندی ہے :۔

"اے کپڑوں میں لپٹنے والے، رات کو کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات، کبھی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دیا کرو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو، ہم تم پر ایک بھاری کام ڈالنے کو ہیں، بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔"

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خدا کو داؤد علیہ السلام کی نماز سب سے زیادہ پیاری تھی اور ان کا روزہ تمام اعمال سے زیادہ عزیز تھا۔ آپ نصف رات سوتے اور باقی تیسرے حصے میں عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے اور پھر چوتھے حصے میں سوتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ہر چیز میں اعتدال پسندی اور میانہ روی

یہ جو اوامر و احکام نافذ کئے وہ تمام صحابہ کے دل میں سرایت کر گئے۔ انہوں نے اپنے اور رہبرِ اعظم کے مقصد کو پہچان لیا اور ان ہی قوانین و اصول پر کاربند رہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضؓ ابو درداء کے گھر آئے۔ یہ وہ اشخاص تھے جن کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں برادری اور بھائی چارہ پیدا کر دیا تھا۔ سلمان رضؓ نے دیکھا کہ ابو دردا کی بیوی غمزدہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ انہوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابو دردا کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اتنے میں ابو درداء بھی آ پہنچے۔ انہوں نے اپنے بھائی کے لئے دسترخوان چنا اور کہنے لگے آپ تناول فرمائیے، میں روزے سے ہوں۔ سلمان رضؓ نے کہا "میں تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔" چنانچہ یہ سن کر وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ جب رات ہوئی تو ابو درداء نے جانے کا قصد کیا تو انہوں نے کہا سو جائیے تو وہ سو گئے۔ کچھ دیر بعد اٹھ گئے اور جانے کا ارادہ کیا۔ پھر انہوں نے کہا سو جائیے۔ جب رات کا آخری حصہ آ پہنچا تو سلمان رضؓ نے کہا "تم پر اپنے پروردگار کا حق ہے، اپنے نفس کا حق ہے اور اپنے گھر بار والوں کا حق ہے۔ تم ہر حق دار کا حق ادا کرو۔"

اس کے بعد سلمان رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا "سلمان نے سچ کہا ہے۔"

صبر و استقامت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کی زندگی نشیب و فراز کا ایک عجیب

مرقع ہے ــ آپؐ ولادت سے پہلے یتیم ہوگئے، ابھی صحیح طرح شعور کی نشو ونما بھی نہیں ہوئی تھی کہ ماں کو موت نے چھین لیا۔ ماں کی جدائی کو ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ دادا کا سایۂ شفقت بھی سر سے اُٹھ گیا۔ جوان ہوئے تو ناداری رفیقِ سفر رہی مگر جواں ہمت کبھی مایوس نہیں ہوئی۔ قدم آگے اور آگے بڑھتے رہے اور ایک دن ایسا آیا کہ ظاہری دولت قدموں میں ڈھیر ہوگئی۔ ظاہری دنیا کی کوئی ایک ایسی زندگی باقی نہیں رہی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ گزرے ہوں۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعور بالغ اور تجربہ کار ہوگیا تو خالقِ کون ومکاں کی طرف سے چالیس سال کی عمر میں خلعتِ نبوّت عطا ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہر چہار طرف سے دشمنی کا ایک باب کھل گیا۔ یہ دشمنی یہاں تک بڑھی کہ دس برس پریشانی کے حال میں گزرے ــ قصور کیا تھا؟ ــ اللہ کا حبیبؐ یہ نہیں چاہتا تھا کہ نوعِ انسانی بت پرستی اور شرک کی پاداش میں دوزخ کا ایندھن بنے۔ اس کے صلے میں قوم نے انہیں ایسے مسائل سے دوچار کر دیا کہ دس برس کی بے شمار تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد عزیزوں کی مخالفت نے وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت اور صبر کو اللہ نے پسند فرمایا تو زمانے نے رنگ بدلا اور صدائے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰه نے حدودِ عرب سے نکل کر قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں غلغلہ ڈال دیا لیکن آپؐ جس طرح بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے اسی طرح نبوّت اور سلطنت مل جانے کے بعد بھی سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔ ہمیشہ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کیا۔ خود کو کبھی اوروں سے ممتاز نہیں کیا۔ جیسے اور لوگ اپنے گھروں میں کام کرتے تھے، آپؐ

بھی خود اپنا کام کرتے تھے، خود ہی بکری کا دودھ دوہتے تھے، خود ہی اپنے کپڑے سیتے تھے، خود ہی جوتیاں گانٹھ لیتے تھے۔ مدینۂ منورہ میں جب مسجدِ نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپؐ بہ نفسِ نفیس سب کاموں میں شریک تھے یہاں تک کہ مزدور کی طرح آپؐ بھی اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ ملبوسات مبارک سادہ تھا۔ عام طور یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس قمیص، چادر، تہ بند اور عمامہ تھا۔ یہ سب چیزیں بالعموم معمولی قسم کے سوتی کپڑے کی ہوتی تھیں۔

مگر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ فقیرانہ زندگی بے نوائی اور تنگ دستی کی وجہ سے نہیں تھی، نہ رہبانیت اور گوشہ نشینی اور دنیا سے بے تعلقی کی وجہ سے تھی بلکہ یہ سب اس لئے تھا کہ اُمّت کے لئے مثال قائم ہو جائے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سادہ زندگی گزارنے میں عافیت اور سکون ہے۔

ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے کہا کہ مشرکین کے لئے بددُعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا "میں بُرا چاہنے کے لئے نہیں آیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" آپؐ کا اخلاقِ حسنہ یہ تھا کہ مدینہ میں لوگ اکثر صبح ہی پانی لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے تاکہ آپؐ اس میں برکت کے لئے ہاتھ ڈال دیں۔ کتنی ہی زیادہ سردی کیوں نہ ہو آپؐ لوگوں کو مایوس نہیں فرماتے تھے اور پانی میں ہاتھ ڈال دیتے تھے۔ اگر کسی کنیز کو بھی کچھ ضرورت ہوتی تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی اور آپ کبھی جانے میں تامّل نہیں فرماتے تھے۔

آپؐ کی شادی عین جوانی میں حضرت خدیجہ رضؓ سے ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضؓ عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں لیکن پچیس برس کا ساتھ حسنِ معاشرت کا ایک

بے مثل نمونہ ہے۔ اس تمام مدت میں کوئی بات ایسی پیش نہیں آئی جو ذرا دیر کے لئے بھی کسی قسم کی رنجش کا باعث بنتی۔ جب آپؐ قربانی فرماتے تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضؓ مرحومہ کی ملنے جلنے والی عورتوں کے ہاں حصّہ بھجواتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد بھی ان کا ذکر ایسی دلی محبت سے کیا کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو رشک ہونے لگتا تھا حالانکہ حضرت عائشہ رضؓ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب اور منظورِ نظر تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ چوں کہ اس زمانے میں لڑکیوں کو حقارت سے دیکھا جاتا تھا، آپؐ اپنی نواسی، بنتِ زینبؓ کو گود میں لے کر یا کاندھے پر بٹھا کر نماز قائم فرماتے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو ایک طرف بٹھا دیتے تھے اور جب قیام فرماتے اٹھا کر گود میں بٹھا لیتے تھے۔

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے چھوٹے بھائی، ابو عمیر کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ ابو عمیر نے ایک بُلبل پال رکھی تھی اور اس سے اُسے بہت محبت تھی۔ آپؐ اس سے فرمایا کرتے تھے: "اے عمیر! بلبل کیسی ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟"

اُمِ خالد بنتِ خالد کہتی ہیں کہ ایک دن میں اپنے والد کے ساتھ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں اس وقت زرد قمیض پہنے ہوئے تھی۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا: "یہ بہت اچھی ہے، بہت اچھی ہے۔" پھر میں آپؐ کی پشت پر جا کر مہرِ نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے والد نے مجھے ڈانٹا مگر آپؐ نے میرے والد سے فرمایا: "اسے کھیلنے دو۔"

آپؐ جب مکہ تشریف لائے تو عبدالمطلب کے بچے آپؐ کے استقبال کے لئے بھاگے ہوئے آئے۔ آپؐ نے نہایت شفقت سے ان میں سے ایک کو اپنے آگے اور دوسرے کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔

آپؐ کی ہر ایک بات، ہر ایک کام اور ہر ایک تعلق اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کی مجسّم تصدیق اور ثبوت تھا:

"اور ہم نے تم کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

مہمان نوازی

مہمان کے آنے پر سلام دُعا کے بعد سب سے پہلے اس کی خیریت معلوم کریں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمان کی حکایت بھی پہنچی ہے کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو آتے ہی سلام کیا۔ ابراہیم نے جواب میں سلام کیا۔"

حضرت فوراً ان کے کھانے پینے کے انتظام میں لگ گئے اور جو موٹا تازہ بچھڑا اُن کے پاس تھا اس کا گوشت بھون کر مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"تو جلدی سے گھر میں جا کر ایک موٹا تازہ بچھڑا لائے اور مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔" (قرآن)

اچھے لوگ مہمانوں کے کھانے پینے پر مسرت محسوس کرتے ہیں۔ مہمان کو زحمت نہیں، رحمت اور خیر و برکت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ گھر میں مہمان آنے سے عزت و توقیر

میں اضافہ ہوتا ہے۔

میزبان پر یہ فرض ہے کہ مہمان کی عزت وآبرو کا لحاظ رکھا جائے۔ آپ کے مہمان کی عزت پر کوئی حملہ کرے تو اس کو اپنی غیرت و حمیت کے خلاف چیلنج سمجھیے۔

جب حضرت لوط علیہ السّلام کے مہمانوں پر بستی کے لوگ بدنیتی کے ساتھ حملہ آور ہوئے تو وہ مدافعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا۔

"یہ لوگ میرے مہمان ہیں۔ ان کے ساتھ بدسلوکی کر کے مجھے رُسوا نہ کرو۔ ان کی رسوائی میری رسوائی ہے۔"

"لوط نے کہا بھائیو! یہ میرے مہمان ہیں، مجھے رُسوا نہ کرو۔ خدا سے ڈرو اور میری بے عزتی سے باز رہو۔" (قرآن)

امام شافعی رح جب امام مالک رح کے یہاں جا کر بطور مہمان ٹھہرے تو امام مالک رح نے نہایت عزت واحترام سے انہیں ایک کمرہ میں سلا دیا۔ سحر کے وقت امام شافعی رح نے سُنا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بڑی ہی شفقت سے آواز دی۔

"آپ پر خدا کی رحمت ہو، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔"

امام شافعی رح فوراً اٹھے۔ دیکھا تو امام مالک رح ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا لئے کھڑے ہیں۔ امام شافعی رح کو کچھ شرم سی محسوس ہوئی۔ امام مالک رح نے نہایت محبت کے ساتھ کہا۔ "بھائی! تم کوئی خیال نہ کرو۔ مہمان کی خدمت ہر میزبان کے لئے سعادت ہے۔"

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بنفس نفیس مہمانوں کی خاطر داری فرماتے تھے۔ جب آپؐ مہمان کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلاتے تو بار بار فرماتے "اور کھائیے"

اور کھائیے"۔ جب مہمان خوب آسودہ ہو جاتا اور انکار کرتا اس وقت آپ اصرار نہیں فرماتے تھے۔

مہمان کے سامنے اچھے سے اچھا کھانا پیش کیجیے۔ دستر خوان پر خورد و نوش کا سامان اور برتن وغیرہ مہمانوں کی تعداد سے زیادہ رکھیئے۔ ہو سکتا ہے کہ کھانے کے دوران کوئی اور صاحب آجائیں اور پھر ان کے لئے بھاگ دوڑ کرنا پڑے۔ اگر برتن اور سامان پہلے سے موجود ہو گا تو آنے والا بھی عزت اور مسرت محسوس کرے گا مہمان کے لئے خود تکلیف اٹھا کر ایثار کرنا اخلاقِ حسنہ کی تعریف میں آتا ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا۔

"حضور! میں بھوک سے بے تاب ہوں۔"

آپؐ نے اُمہات المومنینؓ میں سے کسی ایک کو اطلاع کرائی۔ جواب آیا کہ یہاں تو پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے دوسرے گھر آدمی کو بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا تو آپؐ اپنے صحابیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "آج کی رات کون اسے قبول کرتا ہے؟"

ایک صحابی انصاری نے اس مہمان کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کی استدعا کی اور وہ انصاری مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ ان کی بیوی نے کہا "ہمارے پاس تو صرف بچوں کے لائق کھانا ہے۔"

صحابیٔ رسُول نے کہا "بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا اور کھانے پر مہمان کے ساتھ بیٹھ جانا تا کہ اس کو یہ محسوس ہو کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں۔ صبح جب یہ

انصاری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے دیکھتے ہی فرمایا "تم دونوں نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو حُسنِ سلوک کیا ہے وہ خدا کو بہت پسند آیا ہے۔"

مسکراہٹ

آدمی آدمی کی دوا ہوتا ہے۔ آدمی آدمی کا دوست ہوتا ہے۔ دوستی کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے دوستوں کے معاملات میں دلچسپی لیں، اُن کے کام آئیں اور مالی اعانت کی استطاعت نہ ہو تو اُن کے لئے وقت کا ایثار کریں۔ یہ بھی حقِ دوستی ہے کہ جب آپس میں میل ملاقات ہو تو سرد مہری کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ مستقل مزاجی سے تعلقات کو آخر تک نبھانا بھی ایک مستحسن عمل ہے۔ جب بہت سے برتن ہوتے ہیں تو آپس میں ٹکراتے بھی ہیں۔ آواز کبھی مدھم اور پرشور ہوتی ہے۔ دو برتن ٹکراتے ہیں تو ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں نرمی اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے رشتہ کی ایک نوعیت یہ ہے کہ ہر آدم زاد ایک دوسرے کا برادر اور دوست ہے اور رشتہ کی ایک نوعیت یہ ہے کہ ایک مذہب، ایک ملک کے افراد ایک دوسرے کے رفیق اور ہم خیال ہوتے ہیں۔

نوعی تقاضے پورے کرنے کے لئے ہر آدم زاد کو اپنا بھائی سمجھئے۔ کوئی کام ایسا نہ کیجئے کہ آپ کے عمل سے نوعِ انسانی کی فلاح متاثر ہو۔ ہمیشہ ان رخوں پر سوچئے کہ نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود کے وسائل میں اضافہ ہو۔

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دوستوں اور رشتہ داروں کے دکھ درد میں شریک ہو کر، ان کے غم کو اپنا غم سمجھ کر ان کا غم غلط کرنے کی کوشش کیجئے۔ ان کی خوشیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیجئے اور اُن کی مسرتوں میں بغیر کسی احسان اور صلہ و ستائش کی پروا کئے بغیر شریک ہو کر انہیں خوش کرنے کی کوشش کیجئے۔ ہر دوست اپنے پیاروں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ مصیبت میں اس کا ساتھ دے گا اور کوئی افتاد پڑنے پر اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔

ہمارے آقا محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے کہ ایک دوسرے کو قوت پہنچاتا اور سہارا دیتا ہے جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنتی اور قوت پہنچاتی ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور اس طرح مسلمانوں کے باہمی تعلق اور قرب کو واضح فرمایا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا :

"تم مسلمانوں کو باہم رحم دلی، باہم الفت و محبت اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم کہ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں اس کا شریک رہتا ہے۔"

خوش دلی، نرم خوئی، اخلاص اور خندہ پیشانی کی عادت تعلقِ خاطر میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے برعکس رُوکھے پن سے ملنا، لاپروائی، بے نیازی، یاس و حزن اور مُردہ دلی ایسی بیماریاں ہیں جن سے دوست کا دل بجھ جاتا ہے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

"اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔"

بلیک مارکیٹنگ

انسان جب کسی شعبۂ حیات میں قدم رکھتا ہے تو اس کی فطری خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس نے زندگی کے جس شعبے کو اختیار کیا ہے اس سے صحیح لطف اٹھانے اور زندگی کو صحیح طرح گزارنے کے لئے اس کے سامنے کوئی اچھا نمونہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ قدم قدم پر پیش آنے والے مسائل کو اپنے اسلاف کے تجربوں سے حل کرے اور ان تجربوں کی روشنی میں اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے۔

ہمارا اللہ، ہمارا سب سے بڑا بزرگ، سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا ہمدرد ہے۔ اللہ نے ہماری زندگی کو سنوارنے کے لئے پہلے تو قوانین بنائے اور پھر ان قوانین کو اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم تک پہنچایا۔ یہ سارے قانون ایسے ہیں کہ اس میں اللہ کی کوئی ضرورت، کوئی حاجت، کوئی ذاتی منفعت نہیں ہے۔ سارے قوانین ہماری بھلائی کے لئے ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے جب نوعِ انسانی کو اچھی طرح برائی اور بھلائی کے تصور سے آگاہ کر دیا تو اللہ نے، ہمارے دوست اللہ نے اس قانون کو آخری شکل دے کر سلسلہ بند کر دیا تاکہ اس میں کوئی رخنہ در انداز نہ ہو۔ ہمارا دوست اللہ رب العالمین ہے اور اللہ کے دوست رحمت للعالمینؐ ہیں۔ رب العٰلمین کے دوست رحمت للعٰلمینؐ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ نے اپنے بھائی پیغمبروں کے بنائے ہوئے قوانین کو سامنے رکھ کر اور ان کی امتوں نے جو قانون میں تحریف کی تھی، اس کے پیشِ نظر نوعِ انسانی کے لئے ایک ضابطۂ حیات بنایا اور اس ضابطے کو اپنی زندگی کے ایک ایک شعبے پر نافذ کر کے نوعِ انسانی کے لئے مثال پیش کی۔

اللہ رب العٰلمین کے دوست رحمت للعٰلمین حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابن عبداللہ ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ان تمام امور سے تعبیر ہے جس سے نوعِ انسانی قیامت تک گزرتی رہے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی آپ کی سیرت ہے۔ سرورِ عالمؐ کی سیرت کا کمال یہ ہے کہ وہ بیک وقت زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ آپؐ کی حیات طیبہ کسی خاص جماعت، کسی خاص قوم، کسی خاص ملک اور کسی خاص زمانے کے لئے نہیں تھی اور نہ ہے۔ آپؐ کی زندگی آپؐ کی سیرت رب العٰلمین کے بنائے ہوئے سارے عالمین کے لئے ہے۔ دنیا کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق آپ کی منور زندگی کی روشنی میں اپنی زندگی بہتر بنا سکتا ہے۔ آپ کی زندگی میں ادب و اخلاق، معاشرت و معیشت، حسنِ اخلاق، عدل اور ایفائے عہد کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو ہمیں آپؐ کی حیات میں نہ ملتا ہو۔

تجارت : ایک تاجر، کاروباری انسان کی زندگی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ حسنِ معاملہ کا خوگر ہو اور ایفائے عہد کا پابند ہو اور اس کے اندر حوصلہ ہو۔ اگر کسی تاجر کی زندگی میں یہ تینوں وصف نہ ہوں تو وہ کبھی اچھا تاجر نہیں بن سکتا۔

ایفائے عہد : ایک صحابی بیان فرماتے ہیں کہ نبوت سے پہلے میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تجارتی معاملہ کیا تھا۔ ابھی وہ معاملہ پورے طور پر طے نہیں ہوا تھا کہ میں کسی ضرورت سے یہ وعدہ کر کے چلا آیا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ اتفاقاً ایک لمبے وقفے کے بعد جب مجھے اپنا وعدہ یاد آیا تو میں اس جگہ پہنچا۔ میں نے دیکھا

کہ آپؐ میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ میری اس پیمان شکنی اور لاپروائی پر بغیر کسی ناراضگی کے
ارشاد فرمایا: "تم نے مجھے بہت زحمت دی۔ میں بہت دیر سے تمہارا منتظر ہوں۔"

عدل و انصاف: مکہ فتح ہونے کے بعد عرب میں صرف طائف باقی رہ گیا تھا جو
فتح نہیں ہوا تھا مسلمان بیس روز تک طائف کا محاصرہ کئے رہے مگر طائف فتح نہیں
ہوا اور مسلمانوں کو محاصرہ اُٹھا لینا پڑا۔ صخر ایک رئیس تھا۔ اس نے طائف والوں
کو اتنا مجبور کیا کہ وہ صلح پر آمادہ ہو گئے۔ صخر نے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو اطلاع دی۔ جب طائف اسلام کے ماتحت آ گیا تو مغیرہ بن شعبہ جو طائف کے
رہنے والے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض
کیا کہ میں آپ سے انصاف چاہتا ہوں۔ صخر نے میری پھوپھی پر قبضہ کر لیا ہے۔ میری پھوپھی
صخر سے واپس دلائی جائے۔ اس کے بعد بنو سلیم آئے اور انہوں نے کہا کہ صخر نے
ہمارے چشموں پر قبضہ کر رکھا ہے، ہمارے چشمے واپس دلائے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا
"اگرچہ صخر نے ہمارے اوپر احسان کیا ہے لیکن احسان کے مقابلے میں انصاف کا دامن
کبھی نہیں چھوٹنا چاہیئے۔" اسی وقت آپؐ نے صخر کو حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو اُن کے
گھر پہنچا دو اور بنو سلیم کے پانی کے چشمے واپس کر دو۔

دوستی اور تعلقات پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دوستی
اور محبت کی بنیادیں خلوص، باہمی ارتباط اور ایک دوسرے کی ہمدردی سے مستحکم
ہوتی ہیں۔ دیکھئے کہ آپ بحیثیت ایک دوست اور ساتھی ہونے کے اپنے دوستوں
اور ساتھیوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے۔

ایک سفر میں صحابہ کرام نے کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ اور ہر ایک نے ایک

ایک کام اپنے ذمے لے لیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاؤں گا۔
صحابہؓ نے کہا کہ ہمارے ماں باپ قربان، آپ کو زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں، ہم سب
کام خود انجام دے لیں گے۔ ارشاد فرمایا، یہ ٹھیک ہے لیکن خدا اس بندے کو پسند
نہیں کرتا جو دوسروں سے اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہو۔

معیشت: آپؐ نے مزدوروں کی مشکلات حل کرتے ہوئے فرمایا کہ مزدور کا پسینہ
خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کی جائے۔ آپؐ سرمایہ دارانہ ذہنیت،
سرمایہ دارانہ اخلاق اور سرمایہ دارانہ نظام کا قلع قمع کر کے دنیا پر خوش حالی، امن،
اور بلند اخلاق کے دروازے کھول دیئے۔

خود غرض اور نفس پرست سرمایہ داروں نے جن مصیبتوں کو انسانوں پر مسلط
کیا ہے وہ بلیک مارکیٹنگ اور چور بازاری ہے جو غریبوں کے لئے عذاب الیم سے
کم نہیں ہے۔ آپؐ نے اُن لوگوں پر جو غذائی اجناس اور دوسری اشیا کو محض
نفع اندوزی کی خاطر روک کر رکھتے ہیں، بہت بڑی ذمہ داری عائد کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: "جو لوگ غذائی اجناس اور دوسری اشیا کو ذخیرہ کر لیتے
ہیں تاکہ بازار میں مصنوعی طور پر قلت ہو جائے اور قیمت بڑھ جائے تو وہ بڑے
گناہ گار ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"اللہ اس آدمی پر رحم کرتا ہے جو خریدنے، بیچنے اور تقاضا کرنے میں نرمی
اختیار کرتا ہے۔"

دوست

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا۔ اس وقت کچھ لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے اس شخص سے محبت ہے اور یہ تعلق خاطر محض اللہ کے لئے ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "کیا تم نے اس شخص کو یہ بات بتادی ہے؟" اور فرمایا: "جاؤ، اُسے بتادو کہ تم اس سے اللہ کے لئے محبت کرتے ہو۔" وہ شخص اٹھا اور اس شخص سے اپنے مخلصانہ جذبات کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں اس شخص نے کہا: "تجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی خاطر تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

دوستی کو مستحکم بنیادوں پر چلانے اور تعلقات کو نتیجہ خیز اور استوار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوستوں کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لیں اور ان کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر ان کے حل کرنے میں بھرپور تعاون اور جدوجہد کریں۔

دوست داری کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے دوست کے اہل خاندان سے بھی قربت رکھیں اور انہیں اپنے قرابت داروں کی طرح سمجھیں۔

دوستی میں ہمیشہ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے۔ ایسی سرد مہری کا مظاہرہ نہ کیجئے کہ دوست کا دل ٹوٹ جائے اور نہ جوشِ محبت میں اتنا آگے بڑھیئے کہ اس کو نبھا نہ سکیں۔ زندگی میں توازن، اعتدال اور مستقل مزاجی کامیابی کی علامتیں ہیں۔

حضرت علی رضہ کا فرمان ہے:

"اپنے دوست سے دوستی میں نرمی اور میانہ روی اختیار کرو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن بن جائے۔ اسی طرح دشمن سے دشمنی میں نرمی اور اعتدال اختیار کرو۔ ہوسکتا ہے وہ کسی وقت تمہارا دوست بن جائے۔"

اپنے دوست کو کسی سے کم تر نہ سمجھئے۔ خیرخواہی اور دلجوئی کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے دوست کو زیادہ سے زیادہ اُونچا اُٹھانے کی کوشش کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"دین سرتاسر خیرخواہی ہے۔ خیرخواہی یہ ہے کہ بندہ جو اپنے لئے پسند کرے وہ اپنے دوست کے لئے بھی پسند کرے۔ یہ بات ہر آدمی جانتا ہے کہ کوئی شخص اپنے لئے بُرا نہیں چاہتا۔"

مذہب اور نئی نسل

مذہب کا جب تذکرہ آتا ہے تو مسلمان اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ سنّت کی پیروی مذہب اسلام ہے اور اتباع سنّت ہی اپنے پیغمبر کی محبت کی سب سے بڑی علامت ہے کیوں کہ اگر محبوب کا ہر عمل محبوب نہیں ہے تو محبت میں صداقت نہیں ہے۔ اتباع سنّت کی غرض وغایت صرف محبت کا اظہار ہی نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عمل کی تقلید کرنا ہے۔ اللہ کے ارشاد کے مطابق ہم محبِّ رسول بن کر محبوبِ خدا بن جاتے ہیں۔

"اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔" (القرآن)

اتباع سنّت کے بارے میں بلاشبہ تفکر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اتباع

سنّت سے مراد محض چند اعمال کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ ظاہر اعمال و اعتقادات کے مقابلے میں ان کے اندر حقیقت بھی تلاش کرنا چاہیئے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ارکان ظاہری ہیں۔ ان ارکانِ ظاہری میں اگر تزکیہ نفس اور تصفیۂ باطن نہ ہو تو دل کی پاکیزگی اور نفس کی صفائی نہیں ہوتی۔ نفس کی صفائی اور دل کی پاکیزگی ہی معرفت الٰہی اور تقرب ربانی کی رہبر ہے اور یہی کل روحانی ترقی اور باطنی اصلاح کی معراج ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کا آرزومند ہے اسے چاہیئے
کہ اپنے اللہ کی عبادت میں کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائے۔"

کیا کوئی ایک آدمی بھی اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ پروردگار کے ملنے کا عمل رسمی عبادت سے پورا ہوسکتا ہے۔ یا رسمی عبادت کے صلے یا کسی جسمانی ریاضت کے نتیجے میں یا محض ظاہری اتباعِ سنّت سے کوئی بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اتباعِ سنّت سے اللہ تک رسائی کے لئے اطمینانِ قلب کی ضرورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے کامل اخلاق کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر ہم سچے دل سے مذہب کو مانتے ہیں، اگر ہم خلوصِ نیت سے سنّتِ نبوی پر چلنا چاہتے ہیں، اگر فی الواقع رحمت للعالمین کے حبیب اللہ رب العالمین سے ملنے کے آرزومند ہیں تو ہم کو اتباعِ سنّت میں پورا پورا داخل ہونا پڑے گا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ان اعمال کو یا اُن باتوں پر عمل کرکے اتباعِ سنّت میں داخل ہونا چاہتے ہیں جو ہمارے لئے آسان ہیں۔ ہم چند آسان اور سرسری باتوں کو تمام سنّتِ نبوی میں محیط کر دینا چاہتے ہیں اور دنیا کو

یہ تاثر دیتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری خوبیوں کا خلاصہ یہی چند سنّتیں ہیں۔

کیا اتباعِ سنّت یہی ہے کہ ہم میز پر کھانا کھانے سے پرہیز کریں کیوں کہ کبھی آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ لیکن کبھی اس بات کا بھولے سے بھی خیال نہیں کریں کہ آپؐ کی غذا کیا تھی اور جو کچھ تھی وہ کس وجہ سے تھی۔ چمچے کے استعمال سے پرہیز مگر کھانا لذیذ سے لذیذ اور پرتکلف سے پرتکلف اور حلق تک ٹھونس لینا اور اپنے بھائیوں اور فاقہ زدوں سے ایسی لاپروائی اور بے اعتنائی برتنا کہ جیسے ان کا زمین پر وجود ہی نہیں۔ پائنچے ٹخنوں سے ذرا نیچے ہوجائیں تو گناہِ کبیرہ، لیکن اگر لباس کبر و نخوت، نمود و نمائش کا ذریعہ بن جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔ یہ کون سا اسلام ہے کہ ہم نمازیں قائم کریں مگر برائیوں سے باز نہ آئیں۔ روزے رکھیں مگر صبر کے بجائے حرص و ہوس، غصّہ، بدمزاجی کا مظاہرہ کریں جب کہ رسول اللہ کی تعلیم ہمیں بتاتی ہے کہ کسی بندے کی ایک غیبت کرنے سے روزہ نماز اور وضو سب کچھ فاسد ہوجاتا ہے۔

اتباعِ سنّت کا اتنا چرچا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ سراپا رسول اللہ کی محبت میں غرق ہے مگر جب عملی زندگی سامنے آتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان کون سی سنّت کا اتباع کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گھریلو زندگی کا تذکرہ آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ کا عزیز بستر بوریا تھا اور چمڑے کے تکیے میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے پاس کبھی سات برتنوں سے زیادہ آٹھواں برتن نہ ہوا۔ ہم جب رسول اللہ کی اس عملی زندگی کے مقابلے میں اپنا گھر دیکھتے ہیں تو نظر آسائش و آرام کے لئے قوم کے گدّے، صوفہ سیٹ، قالین،

وی سی آر، ٹی وی سیٹ اور برتنوں کے انبار دیکھتے ہیں۔ ہمیں شرم کیوں نہیں آتی کہ ہم کس اتباعِ سنت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

ہمارے ہاں خدا کے فضل سے ایسے بزرگ بھی موجود ہیں جو ہمیشہ روزے رکھتے ہیں اور جن کی نماز قضا نہیں ہوتی اور وہ اتباعِ سنت کا بھی بہت زیادہ خیال کرتے ہیں لیکن ان میں ایسے اصحاب بہت کم ہیں جن کو اپنے گھر میں رسولؐ اللہ کے مزاج اور طبیعت کے خلاف کوئی واقعہ پیش نہ آتا ہو۔ ایسے حضرات بہت کم ہیں جن کو خلافِ مزاج پر غصہ نہ آتا ہو، جو اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوں، جو کسی پسند میں خود کو اپنے بھائی پر ترجیح نہ دیتے ہوں، جو اپنی نیکو کاری پر مغرور ہو کر کسی دوسرے کو حقیر نہ سمجھتے ہوں۔

یہی وہ اعمال و افعال ہیں جنکو دیکھ کر ہماری نسل مذہب سے بیزار ہو گئی ہے۔ مصلحینِ قوم نے باطنی محاسن پیدا کرنے پر زور دینے کی بجائے رسمی باتوں پر زور دیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے بزرگوں میں ظاہر داری زیادہ اور حقیقی نیکیاں کم تھیں مگر اب ہم سے وہ حقیقی نیکیاں بھی دور ہو گئی ہیں۔ ہم بزرگ جو کچھ کہتے ہیں، ہمارا عمل اس کے مطابق نہیں ہوتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری نسل ٹی وی نہ دیکھے، گانے نہ سنے اور اپنی نسل سے یہ توقع بھی رکھتے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل رسولؐ اللہ کی محبت میں سنت کی پیروی کرے مگر ہماری ظاہری و باطنی زندگی اس کے برعکس ہے یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل مذہب سے دور ہو رہی ہے۔

ہم بوڑھوں اور بزرگوں پر یہ فرض ہے کہ ہم اپنی خواہشات کو اپنے مذہب پر قربان کر دیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو مسلمانوں کا لُٹا پِٹا یہ کارواں معدوم ہو جائے گا۔

آیئے دعا کریں! اے نفس، خوابِ غفلت سے بیدار ہو، نشۂ نخوت سے ہوش میں آ، حق ناشناسی کو چھوڑ، حق شناس بن جا۔ تو اس بات کو کیوں یاد نہیں رکھتا کہ بہت جلد تجھے ایک بہت بڑے حاکم کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں تیرے لئے ند موجود کتاب تجھے بتائے گی کہ تو نے زندگی بھر کیا کچھ کیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب المرقوم کہا ہے اور اس کتاب میں علیین اور سجین زندگی بھر کے ایک ایک کام، ایک ایک خیال، ایک ایک منٹ کا ریکارڈ ہے۔

اے نفس اس بڑے حاکم کے سامنے جب تو پیش ہوگا، تیرے اعضا تیرے خلاف گواہی دیں گے۔ اس دنیا میں ظاہر اعمل کے پردوں میں تو اپنی بدباطنی کو تو چھپا لے لیکن اس بڑے حاکم کے سامنے تیرا ہر مخفی ارادہ اور ہر پوشیدہ عمل ظاہر ہو جائے گا۔ ریا اور تصنع کا پردہ اٹھ جائے گا جہاں اعمال و افعال خود کلام کریں گے اور جب ایسا ہوگا تو اے نفس تیرے ہر عمل کا، خواہ وہ عمل خیر ہے یا عمل شر، ٹھیک ٹھیک صلہ ملے گا۔

نفس پرستو! میرے دوستو! اللہ بڑا رحیم ہے، بڑا کریم ہے، معاف کرنے والا ہے مگر دانستہ غلطیاں ناقابلِ معافی جرم ہیں۔ اتباعِ سنت کے بڑے بڑے دعوے کرنے والے لوگو محض دعووں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر اخلاقِ نبویؐ اختیار کرنے میں ظاہری پابندی تو شدومد سے کی جائے لیکن صداقت اور خلوص نہ ہو یا صرف حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجموعی زندگی میں سے چند اعمال کو اختیار کرکے اتباعِ سنت کا دعویٰ کرنے والوں کو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

معراج

اسلام کے ابتدائی دور کے بعد وہ گھڑی بھی آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہادیٔ عالم نبیٔ کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے سیرِ ملکوت معیّن کی تھی۔ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے حبیبِ خاص کے لئے افلاک کے راستوں کو سجائیں۔ رضوانِ جنّت کو ہدایت کی کہ آنے والے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت کے مطابق خلدِ بریں کو مزیّن کریں۔ جبرئیلِ امین کو حکم صادر فرمایا کہ وہ محبوبِ کبریا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے وہ سواری لے جائیں جو برق سے زیادہ تیز رفتار اور شعاعِ مہر سے زیادہ سبک خرام ہو۔ اس شان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور وحیِ الٰہی کی صدا سے خطۂ لاہوتی گونجنے لگا

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآنِ مجید میں یوں بیان فرمایا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ

(سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ : اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ذاتِ پاک ہے جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکت رکھی تاکہ ہم اُسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

یہ واقعہ خود پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی بیان فرمایا جس کی اماتوں

اور سچائی پر کسی قوم کو شک و شبہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس سُرعت رفتار کی بہت سی مثالیں سامنے ہیں۔ آواز کی رفتار، روشنی کی رفتار، سیاروں کی رفتار اور خود انسان کے نورِ نگاہ کی رفتار وغیرہ۔

معراج کا واقعہ سائنس دانوں کے لئے ایک مشعلِ راہ ہے۔ کیا چودہ سو سال قبل راکٹ اور خلائی شٹل کی رفتار کا کسی انسان کو تصوّر بھی ممکن تھا؟ ذرا غور فرمائیے انسان کے نورِ نگاہ کی سُرعت رفتار کا کیا حال ہے۔ اِدھر آنکھ کھُلی اُدھر آنکھ کی ننھی سی پُتلی میں وسیع کائنات سمانے لگی۔ معراج کا واقعہ انسانی عقل اور فکرِ بشری کے لئے قیامت تک سائنس دانوں اور عام انسانوں کے فضائے کائنات اور خلا کی لامحدود مقامات کی ریسرچ اور تسخیر کے لئے ایک نمونہ، فلسفہ اور کلیہ ہے جو کہ ہیلی کاپٹر، ہوائی جہاز، راکٹ اور خلائی شٹل کے لئے گائیڈ لائن ہے۔

نبیٔ کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کی اصل نوعیت دعوت و تبلیغ ہے۔ آپ نے تمام اقوامِ عالم کو دعوت دی ہے اور ہمیشہ کے لئے اعلان کر دیا ہے کہ یہ عالمِ وجود اور سلسلۂ کون و مکاں جو تا حدِ نظر پھیلا ہوا ہے نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا۔

مگر اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے قائم بالذات اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہر اعتبار سے تنہا اور اکیلا ہے۔ چنانچہ نہ تو اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ صفات میں، نہ حقوق میں نہ اختیارات میں۔ دعوت و تبلیغ میں اس بات کا واضح اور کھلا انکشاف ہے کہ آخرت پر ایمان عقیدۂ اسلام کا اساسی جزو ہے۔

انسانی شماریات

"یہ چوپائے اور اڑنے والے جانور تمہاری طرح اُمتیں ہیں۔"

(سورۂ انعام ۳۸)

پرندوں، چوپایوں اور حشرات الارض کو نزلہ زکام اور ملیریا نہیں ہوتا۔ انہیں کھانسی اور دق سل جیسی بیماریاں نہیں ہوتیں۔ آج تک نہیں سنا گیا کہ کسی کبوتر یا چڑیا کو کینسر ہوا ہو۔ یہ بھی بات نوعِ انسانی کے دانشوروں کے سامنے نہیں آئی کہ جنگل میں رہنے والے چوپائے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہوئے ہوں۔ اس بات کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ کسی پرندے یا چرندے کے دل کے والو بند ہوئے ہوں۔ جانوروں کی نوعوں میں بڑھاپے کے آثار بہت کم ظاہر ہوتے ہیں۔ اُن کے مُنہ پوپلے نہیں ہوتے۔ اُن کی آنکھوں پر عینک نہیں لگتی۔ وہ عمر طبعی تک چُست اور پھرتیلے رہتے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا کی ہے کہ ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ اللہ کی یہ مخلوق اور انسانی شماریات سے کہیں زیادہ نوعیں اور ہر نوع کے بے شمار افراد مناسب غذا کھاتے ہیں۔ ان کے ہاں کسی قسم کی غذائی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ ان نوعوں کی زندگی میں براہِ راست ورزش کا عمل دخل ہے۔ یہ سب نوعیں ایک نظامِ حیات کی پابند ہیں۔ حالات کے مطابق یہ اپنا نظامِ حیات بھی بدلتے رہتے ہیں۔

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان کی ہر شے آئینِ الٰہی پر عمل پیرا ہے اور پرندے بھی ایک نظام کو نباہ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور دستور العمل سے آگاہ ہے۔" (سورۂ نور ۴۱)

وہ پرندے اور چوپائے بدنصیب ہیں جو انسانی ماحول میں زندگی گزارتے ہیں۔ انسان کی پھیلائی ہوئی گندگی اور غلاظت سے متاثر ہو کر طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

انسان جو خود کو اشرف المخلوقات کہتا ہے، اتنا غلیظ اور گندا ہے کہ بار بار تھوکتا ہے، اپنے ارد گرد کوڑا کرکٹ کا ڈھیر لگائے رکھتا ہے۔ گھروں میں صفائی کا فقدان ہے تو گلیوں میں تعفّن کے طوفان اُٹھتے رہتے ہیں۔ گفتگو کی جائے تو منہ سے بدبو آتی ہے۔ جسمانی اتصال ہو جائے تو پسینے کی بُو سے دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ خشک چہرے اور خشک بال اور بالوں کے اندر جوئیں اس کی نفاست اور طہارت سے بے پروائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اے انسان جنگلی جانوروں کو دیکھ۔ ان کے گھونسلوں اور نشیمنوں میں کیسی صفائی پائی جاتی ہے۔ بلی زمین میں گڑھا کھودتی ہے اور اپنا فضلا اس میں چھپا دیتی ہے۔ اللہ کی مخلوق انسانی ماحول میں رہنے والی بلی ہمیں ہر روز صفائی اور طہارت کا سبق دیتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

"اے انسان میل کچیل اور غلاظت سے دُور رہ۔" (سورۂ مدثر)

زندہ قوموں کی تعریف ہی یہ ہے کہ صفائی، نفاست، پاکیزگی ان کی زندگی کا ایک محرک عمل بن جاتا ہے اور جن قوموں میں صفائی اور طہارت نہیں ہوتی وہ پاکیزگی کے احساس سے ہی محروم ہو جاتی ہیں۔ ان میں پرندوں کے پروں کا اُجلاپن، چوپایوں کے جسم کا حسن اور آنکھوں میں کشش باقی نہیں رہتی۔ وہ گینڈے کی طرح بھدی، گدھ کی طرح غلیظ اور اُلو کی طرح بدحواس اور اونگھتی قوم بن جاتی ہے۔

اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"اے جسم کو لباس سے زینت دینے والے رسُول اُٹھ ! قوم کو غلاظت کے نتائج سے آگاہ کر ، اللہ کی عظمت بیان کر ، اُجلے کپڑے پہن اور ہر قسم کے میل کچیل سے دُور رہ۔" (سورۂ مدثر ۱-۵)

ہماری حالت یہ ہے کہ ہم صرف پانچ فرض احکام کی بجا آوری میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ باقی ہزاروں احکامات کو مستحب کہہ کر گزر جاتے ہیں۔

اے مسلمان ، غور کر۔ تیری پھیلائی ہوئی غلاظت اور ناپاک کاموں کی وجہ سے آج پوری مسلمان قوم کی صحت کا کیا حال ہے۔ قوم کا ہر فرد بیمار نظر آتا ہے۔ معصوم اور پھولوں جیسے بچوں کے چہرے کمھلائے ہوئے اور زرد نظر آتے ہیں غلیظ مکانات اور پراگندہ خیالات نے مسلمان قوم کا وقار کس قدر کم کر دیا ہے۔ اجتماعی، تمدنی، معاشرتی وسعتوں سے نکل کر ہم غیر اقوام کے آلۂ کار بن گئے ہیں اور ہمارے اوپر غلامی مسلط کر دی گئی ہے۔

قرآن کا ایک حکم "صفائی اختیار کرو" کو چھوڑ کر ہم کتنے ذلیل و خوار ہو گئے ہیں۔ اے قوم ! تو کیوں غور نہیں کرتی کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہمیں رُوحانی و جسمانی نجاستوں اور غلاظتوں سے نجات دلانے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اے رسول ہم نے تجھے یہ بلند کتاب اس لئے دی کہ تو دنیا کو غلاظت اور کثافت کی تاریکیوں سے نکال کر نفاست، پاکیزگی اور لطافت کی روشنیوں کی طرف رہنمائی کرے۔"

جائداد میں لڑکی کا حصّہ

عامرؓ ایک بار حضرت عمرؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ لیٹے ہوئے ہیں اور بچے ان کے سینے پر چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ ان کو یہ بات بہت گراں گزری۔

امیر المومنین نے ان کی پیشانی پر بل دیکھ کر فرمایا: "آپ اپنے بچوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں ؟"

عامرؓ نے کہا۔ "جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں تو گھر والوں پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور سب دم بخود ہو جاتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے بڑے سوز کے ساتھ فرمایا۔ "عامر ! امتِ محمدیہ کا فرزند ہوتے ہوئے تم نہیں جانتے کہ مسلمان کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس طرح نرمی اور محبت کا سلوک کرنا چاہیئے !"

ماں پر بچے کا یہ حق ہوتا ہے کہ اُسے دُودھ پلایا جائے۔ قرآن پاک نے ماں کا یہی احسان یاد دلا کر ماں کے ساتھ غیر معمولی حُسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ بچہ نو مہینے تک ماں کے خون سے پیٹ میں پرورش پاتا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بچے وہی ذہن اور وہی خیالات اپناتے ہیں جو ماں کے دماغ میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

ماں کا فرض یہ ہے کہ وہ بچے کو اپنے دُودھ کے ایک ایک قطرے کے ساتھ اللہ اور اس کے رسُولؐ کے طرزِ عمل کا سبق دیتی رہے۔ دُودھ کے ہر گھونٹ کے ساتھ نبئ برحق کا عشق اور دین کی محبت بھی اس کے سراپا میں اس طرح انڈیل دے کہ

قلب و رُوح میں اللہ کی عظمت اور رسولؐ اللہ کی محبت رچ بس جائے۔ اِس خوش گوار فریضہ کو انجام دے کر جو رُوحانی سکون و سرور حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ ان ہی ماؤں کو ہوتا ہے جو اپنے بچوں کی پرورش حق کے ساتھ کرتی ہیں۔

بچوں کو ڈرانے سے پرہیز کرنا چاہیئے کیوں کہ ابتدائی عُمر کا یہ ڈر ساری زندگی پر حاوی ہو جاتا ہے اور ایسے بچے زندگی میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کے [illegible] نہیں رہتے اولاد کو بات بات پر ڈانٹنے، جھڑکنے اور بُرا بھلا کہنے سے بچے [illegible] زدہ ہو جاتے ہیں اس کے برعکس شفقت و محبت اور نرمی کے برتاؤ سے اولاد کے اندر اطاعت و فرماں برداری کے جذبات نشو و نما پا کر اولاد کو باسعادت کرتے ہیں۔

[illegible] اولاد [illegible] کا سہارا اور خاندان کا وقار ہے اور پوری [illegible] ہے!

ماں باپ کا وجود اولاد [illegible] سایہ فگن آسمان کی طرح ہے۔ اگر وہ کچھ مطالبہ کریں تو ان کو [illegible] ہوں تو ان کا غم غلط کیجیئے۔ ان پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ [illegible] آپ کی [illegible] آپ کی موت کی تمنا کریں اور آپ کے قرب کو [illegible]۔

اپنے بچوں کو حسبِ مرتب گود [illegible] پیار کیجیئے، شفقت سے اُن کے سر پر ہاتھ پھیریئے۔ تُند خو اور سخت گیر ماں باپ سے بچے ابتداءً سہم جاتے ہیں اور پھر نفرت کرنے لگتے ہیں۔ والہانہ جذبۂ محبت سے ان کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور ان کی فطری نشو و نما پر خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اولاد کو ضائع نہ کیجیئے، اولاد کو اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھیئے، معاشی تنگی کی وجہ

سے کبھی نہ سوچیئے کہ یہ اولاد کی وجہ سے ہے۔ خالقِ کائنات کا فرمان ہے:

"اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور ہم تمہیں بھی رزق دے رہے ہیں"

دراصل صالح اولاد ہی آپ کے بعد آپ کی تہذیبی روایات، دینی تعلیمات اور پیغامِ توحید کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے اور مومن نیک اولاد کی آرزو ہی اسی لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیغام کو زندہ رکھے گی۔

دوسروں کے سامنے اپنے بچوں کے عیب بیان نہ کیجیئے اور نہ کسی کے سامنے ان کو شرمندہ کیجیئے۔ اُن کی عزتِ نفس کے آپ محافظ ہیں۔ بچوں کے سامنے ان کی اصلاح سے مایوسی کا اظہار بچوں میں احساسِ کمتری پیدا کر دیتا ہے یا پھر ان کے اندر ضد اور غصہ بھر جاتا ہے کہ جب ہم خراب اور ناقابلِ اصلاح ہیں تو خراب ہو کر ہی دکھائیں گے۔ بچے کہانیاں سُن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور انہیں جو کچھ سنایا جاتا ہے وہ ان کے حافظے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ نہایت پیار اور اُنسیت کے ساتھ انہیں نبیوں کے قصے، صالحین کی کہانیاں، صحابۂ کرام کی زندگی کے واقعات اور مجاہدینِ اسلام کے کارنامے اہتمام کے ساتھ سُنائیے اور اُن سے سنیئے بھی۔ ہزار مصروفیتوں کے باوجود ان کے لئے وقت نکالئے۔ جب بچے خوش ہوں انہیں بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بچوں سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر حضورؐ پُر نور کا چہرہ گلنار ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ہمارے پیارے نبیؐ حضرت حسنؓ کو پیار کر رہے تھے۔ ایک بدّو کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا تو اس نے کہا "یا رسول اللہ! آپ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں، میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔"

رحمت للعالمین کے چہرۂ مبارک پر ناگواری ظاہر ہوئی اور فرمایا "اگر خدا نے تمہارے دل سے رحمت و شفقت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں ؟"

بے جا لاڈ پیار سے بچے ضدی اور خود سر بن جاتے ہیں۔ ہر جا و بے جا ضد پوری کرنے کی بجائے تحمل اور بُردباری کے ساتھ کوشش کیجئے۔ یہ عادت ختم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے کرخت آواز کو ناپسند کیا ہے۔ بچوں کے سامنے چیخئے چلایئے نہیں کیوں کہ بچے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ گلا پھاڑ کر زور سے بولنا بھی کوئی قابلِ تعریف کام ہے۔ نرمی، خوش گفتاری اور دھیمے لہجے میں ماں باپ جب بات کرتے ہیں تو بچوں کا لہجہ خود بخود نرم اور شیریں ہو جاتا ہے۔

عادت ڈالئے کہ بچے اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ نوکروں کا سہارا بچوں کو کاہل، سست اور اپاہج بنا دیتا ہے۔ اُن کے اندر زندگی کے گرم و سرد حالات سے نبرد آزما ہونے کی ہمت نہیں رہتی۔ ایسے بچے جفاکش اور محنت کوش نہیں ہوتے۔

کبھی کبھی اپنے بچوں کے ہاتھ سے غریبوں اور مساکین کو کھانا، پیسہ اور کپڑا وغیرہ بھی دلوایئے تاکہ ان کے اندر غریبوں کے ساتھ سلوک، سخاوت و خیرات کا جذبہ پیدا ہو۔ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلایئے۔ اُن کے منہ میں نوالے دیجئے۔ اُن سے بھی کہئے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کو اپنے ہاتھ سے کھلائیں۔ اس عمل سے حقوق العباد کا احساس اور انصاف کے تقاضے اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ قالبِ انسان میں نمو پاتے ہیں۔

جائداد میں لڑکی کا حصہ پوری دیانت داری اور اہتمام کے ساتھ دینا خدا نے فرض کیا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ لڑکی کا حصہ دینے میں حیلہ جوئی سے کام لینا خیانت ہے اور اللہ کے دین کی توہین کرنا ہے۔

والدین کی دعائیں اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہیں۔ اولاد کیسی بھی ہو ماں باپ کی آنکھ [illegible] رہ ہوتی ہے۔ سوز و گداز اور دل جمعی کے ساتھ اولاد کے حق میں دعا کرنا ماں باپ کی عادت ہوتی ہے۔ خدائے رحمان و رحیم دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعائیں ضائع نہیں۔

دعوتِ دین

دعوت اور تبلیغِ دین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن ہے۔ اس لئے پورا خیال رکھئے کہ اس دعوت کا طریق کار حکمت اور سلیقہ سے مزین اور ہر لحاظ سے موزوں، بروقت اور پُروقار ہو۔ مخاطب کی فکری رسائی اور ذہنی کیفیت کے مطابق بات کیجئے۔ لوگوں میں حسن ظن، خیر خواہی اور خلوص کے جذبات اُبھاریئے۔ ہٹ دھرمی، تعصب اور نفرت کو ختم کیجئے۔

تحریر و تقریر میں عذاب اور خوف پر اتنا زور نہ دیجئے کہ لوگ اللہ کی رحمت سے نااُمید ہو جائیں بلکہ عذاب اور خوف کے ایک مختصر پہلو کے مقابلے میں اللہ کے لامحدود اور وسیع دامنِ رحمت کو پیش کیجئے جس میں پوری کائنات سجائی ہوئی ہے۔ اور جس کی بنیاد پر تمام مخلوقات کا وجود ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ ہم دنیا کے سامنے پیش کریں اس کا مخاطب سب سے پہلے اپنی ذات کو بنائیں۔ جن حقیقتوں کو قبول کرنے میں ہم دنیا کی بھلائی دیکھیں پہلے خود کو اس کا حریص بنائیں۔ انفرادی عمل، خانگی تعلقات، اخلاقی معاملات اور اللہ سے ربط کے معاملے میں یہ ثابت کریں کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا

نمونہ ہم خود ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کے بیان میں کچھ لوگوں کی دردناک حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا، یہ آپ کی اُمّت کے وہ واعظین ہیں جو لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور خود کو بھولے ہوئے تھے۔"

اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے راستے کی طرف دعوت دینے کا مؤثر ذریعہ مخلوقِ خدا کی بے لوث خدمت ہے۔ ایسی خدمت جو خالص انسانی قدروں اور خلوص و محبّت اور خیر خواہی کے جذبات پر قائم ہو نہ کہ بدلے اور گھٹیا سودے بازی پر۔ اللہ کی مخلوق سے محبّت کا تعلق استوار رکھنا اور اللہ کی مخلوق ہونے کے ناطے سے اُن کی خدمت کرنا خالق کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

فرشتے نے پوچھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دوستوں کی ملاقات کا ایمان افروز نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا۔

"ایک شخص اپنے دوست سے جو کسی دوسری بستی میں تھا ملاقات کے لئے چلا۔ خدا نے اس کے راستے پر ایک فرشتے کو بٹھا دیا۔ فرشتے نے اس سے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا اس گاؤں میں اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا، کیا اس پر تمہارا کوئی حقِ نعمت ہے جو وصول کرنے جا رہے

ہو؟ اس نے کہا، نہیں بس صرف اس غرض سے اس کے پاس جا رہا ہوں کہ میں خدا کی خاطر اس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا، تو سن، مجھے خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ وہ بھی تم سے ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی تو اس کی خاطر اپنے دوست سے رکھتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ قیامت کے روز جب عرشِ الٰہی کے سوا کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے افراد عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوں گے۔ ان میں ایک قسم کے افراد وہ دو آدمی ہوں گے جو محض خدا کے لئے ایک دوسرے کے دوست ہوں گے، خدا کی محبت نے انہیں باہم جوڑا ہوگا۔ اور اسی بنیاد پر وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوئے ہوں گے یعنی اُن کی دوستی خدا کی خاطر ہو، اور زندگی بھر وہ اس دوستی کو قائم رکھنے اور نبھانے کی کوشش کریں گے اور جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے جُدا ہو کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہو گا تو اس حال میں کہ اُن کی دوستی قائم ہوگی اور اسی دوستی کی حالت میں وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے۔

ایک شب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: "مانگیے!" آپ نے دُعا کی:

"خدایا میں تجھ سے نیک کاموں کی توفیق چاہتا ہوں اور بُرے کاموں سے بچنے کی قوت چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت چاہتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرما دے اور مجھ پر رحم فرمائے اور جب تو کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے اس حال میں اُٹھا لے کہ میں اس سے محفوظ رہوں اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی توفیق

چاہتا ہوں جو تیرے قرب کا ذریعہ ہو۔"

سونے کا پہاڑ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو صفات حمیدہ کے بہترین مظہر اور تکمیلِ انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے کبھی دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں فرمایا۔ ہمیشہ اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے خرچ فرمایا۔ کوئی ضرورت مند آپؐ کے دربار سے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا۔ اگر آپؐ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو آپؐ اپنی ضرورت کی اشیا گروی رکھوا کر سائل کی مدد فرماتے۔ تمام عمر یتیموں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی سرپرستی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیوہ رہی۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد جب آپؐ ان کی دولت کے مالک بنے تو کچھ ہی دنوں میں سارا مال ومتاع غریبوں میں تقسیم فرما دیا۔ چنانچہ جب آپؐ کے اوپر پہلی وحی نازل ہوئی اور بہ تقاضائے بشریت خوف کے آثار ظاہر ہوئے تو حضرت خدیجہؓ نے ان الفاظ میں تسلی دی:

"آپ پریشان نہ ہوں، خدا آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا، آپ یتیموں کے والی ہیں اور بیواؤں کی سرپرستی فرماتے ہیں۔"

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس مال و زر جمع نہ ہونے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ صبح کا درہم شام تک کبھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"اے ابوذر! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے

برابر سونا ہو اور تیسرے دن تک اس میں سے ایک اشرفی بھی میرے پاس باقی رہ جائے مگر یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کو رکھ چھوڑ دوں۔ میں کہوں گا کہ اس کو خدا کے بندوں میں ایسے [illegible] بائیں اور پیچھے بانٹ دو۔"

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پھر فرمایا، آدم کے بیٹے کا یہ حال ہے کہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ اور تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے صدقہ کیا اور آگے بھیج دیا۔ کھایا تو اس کو فنا کر چکا اور پہن لیا تو اس کو پرانا کر چکا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

"اے آدم کے بیٹے! تیرا دینا تیرے لئے بہتر اور تیرا رکھ چھوڑنا تیرے لئے برا ہے۔"

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس کے پاس سواری کے لئے زائد اونٹ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں، جس کے پاس زائد زادِ راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔" حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ اسی طرح مختلف اموال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے محسوس کر لیا کہ ضرورت سے زیادہ مال رکھنے کا ہم میں سے کسی کو حق نہیں۔

نبوت کی اس تعلیم نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی جس کا ہر فرد دوسرے کا مددگار اور سرپرست تھا اور جس میں لوگ اپنی کمائی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے سبب بے چین رہتے تھے۔ وہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ جس سے ان کی

کمائی مستحقین تک پہنچ جائے

مچھلی کے پیٹ میں

مومن کا معاملہ بھی خوب ہے۔ وہ جس حال میں بھی ہوتا ہے خیر سمیٹتا ہے۔ اگر وہ دکھ بیماری اور تنگ دستی سے دوچار ہوتا ہے تو سکون کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور یہ آزمائش اس کے حق میں خیر ثابت ہوتی ہے اور اگر اس کو خوشی اور خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ خوش حالی اس کے لئے خیر کا سبب بنتی ہے۔

کٹھن حالات اور آزمائشوں کے ذریعے قدرت آدمی کی سوچ کو نکھارنے اور اس کو کندن بنانے کا کام بھی لیتی ہے۔

مومن کی مرضی اور رضا اسی امر میں ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور وہ تمام امور کو اللہ کی جانب سے سمجھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم پر جاں کنی کا عالم تھا اور وہ نبیؐ کی گود میں تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر بربنائے بشریت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن آپؐ نے فرمایا۔

"اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی میں مغموم ہیں مگر زبان سے وہی نکلے گا جو پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگا۔"

مومن کی زندگی میں رضائے الٰہی کو کتنا دخل ہوتا ہے اس کا اندازہ نبی اکرمؐ کی تلقین کردہ اس دعا سے لگایا جاسکتا ہے کہ

"خدایا! جب تک میرے حق میں زندہ رہنا بہتر ہو زندہ رکھ اور جب میرے حق میں موت ہی بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ذوالنون (حضرت یونسؑ) نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار سے جو دعا کی وہ یہ تھی ـــ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

(تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو بے عیب و پاک ہے، میں ہی اپنے اوپر ظلم ڈھانے والا ہوں۔)

پس جو مسلمان بھی اپنی کسی تکلیف یا تنگی میں خدا سے یہ دعا مانگتا ہے خدا اسے ضرور قبولیت بخشتا ہے۔"

مومن اور کافر کے کردار میں یہ فرق ہے کہ کافر رنج و غم کے ہجوم میں پریشان ہو کر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات مایوسی اس حد تک اس کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے کہ وہ پریشان حالی اور درماندگی کی تاب نہ لا کر خودکشی کا مرتکب بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس مومن مصائب و آلام کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور بڑے سے بڑے حادثہ پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر چٹان کی طرح اسی جگہ قائم رہتا ہے اور جو کچھ پیش آرہا ہے اس کو اللہ کی مشیت سمجھ کر اس میں خیر کا پہلو نکال لیتا ہے۔

بچوں کے نام

کسی فرد کا اپنا ذاتی تشخص اس وقت بنتا ہے جب وہ بیدار ہوتا ہے۔ ہر بچہ دنیاوی کثافتوں سے پاک عالم بالا کے ذہن پر تخلیق ہوتا ہے۔ جب اسے یہ

معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ پُرانوار عالم سے ایک ایسے عالم میں پھینک دیا گیا ہے جہاں کی زندگی قید و بند کی زندگی ہے تو وہ اضطراب میں مبتلا بلک بلک کر رونا شروع کر دیتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر پیدا ہونے والا ہر بچہ یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ زندگی میرے لئے ناپسندیدہ ہے، میں اس بات پر برملا اظہار تاسف کرتا ہوں کہ مجھے اس قید کر دیا گیا ہے۔

ہادیٔ برحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تکلیف دہ لمحات سے نجات پانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

"ولادت کے بعد نہلا دھلا کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہو۔"

پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اذان اور اقامت میں بڑی حکمت ہے وہ یہ کہ انسان کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی آواز پہنچے، جس شہادت کو وہ شعوری طور پر ادا کرنے کے بعد داخلِ اسلام ہوگا اس کا PATTERN پہلے ہی دن بن جائے۔

پیدائش کے بعد دوسرا مرحلہ نام کا ہے۔ نام ایک ایسی دستاویز ہے کہ بچے کا رُواں رُواں، ہڈی ہڈی، عضو عضو، طرزِ عمل، قد و قامت سب کچھ بدل جاتا ہے، لیکن نام نہیں بدلتا۔ مطلب یہ ہے کہ نام کسی فرد کے تشخص کا واحد ذریعہ ہے۔ جب کسی بچے کا نام رکھا جاتا ہے تو اس کے دماغ میں ایک اور پیٹرن جنم لیتا ہے۔ یہی وہ پیٹرن ہے جو معنی اور مفہوم کے ساتھ شعوری زندگی کے لئے ایک طرزِ عمل متعین کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے کہ بچوں کے نام خوبصورت، خوش پسند اور بامعنی رکھو تاکہ نام کی معنویت اور نام کے اثرات بچے کی آئندہ زندگی کو کامیابی اور

کامرانی سے ہمکنار کر دیں۔

نام کے انتخاب میں پاکباز اور باکردار بزرگوں کی اعانت حاصل کی جائے کہ نام رکھنے سے معنی اور مفہوم کے ساتھ ساتھ نام رکھنے والے کا ذہن بھی منتقل ہوتا ہے۔

صدقہ و خیرات

مال و دولت سے محبت انسان کے اندر رچی بسی ہوئی ہے اور وہ مال و دولت کی محبت میں اس قدر مبتلا ہے کہ خود قرآن کو کہنا پڑا کہ ـــ

"بے شک انسان مال و دولت کی محبت میں بڑا شدید ہے۔"

انسان سمجھتا ہے کہ مال و دولت کے انبار اس کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ گن گن کر مال و دولت جمع کرتا ہے اور اس یقین کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ مرتے دم تک مال و دولت کے معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس دوڑ میں وہ اپنے بھائیوں کے حقوق کے اتلاف کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ قدرت نے اُسے توانائیوں کے جو بیش بہا خزانے کسی اور مقصد کے لئے عطا کئے ہیں وہ انہیں ہوس زر میں صرف کر دیتا ہے۔

انسان کہتا ہے کہ جو کچھ میں کماتا ہوں وہ میرے دست و بازو کی قوت پر منحصر ہے اس لئے میں جس طرح چاہوں اُسے خرچ کروں۔ کوئی مجھے روکنے والا نہیں ہے اور یہی وہ طرزِ فکر ہے جو آدمی کے اندر سرکشی اور بغاوت کی تخم ریزی کرتی ہے۔ جب یہ سرکشی تناور درخت بن جاتی ہے تو اللہ سے اس کا ذہنی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور آدمی کا شمار ذریتِ قارون میں ہونے لگتا ہے۔

اہلِ ایمان کے دلوں میں دولت کی اہمیت کو کم کرنے اور انہیں عطیۂ خداوندی
کا احساس دلانے کے لئے قرآن پاک میں جگہ جگہ اللہ کی مخلوق کے لئے مال و دولت کو
کھلا رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ طرح طرح سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانے
کی کوشش کی گئی ہے کہ پاک اور حلال کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ کی
نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق یہاں
تک کہہ دیا گیا کہ

"تم نیکی اور اچھائی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیز اللہ کی راہ
میں نہ دے دو جو تمہیں عزیز ہے۔"

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی حد کو وسیع کرتے ہوئے کہا گیا کہ

"اے نبی! وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ کہہ
دو کہ اپنی ضرورت سے زائد۔"

ان احکامِ خداوندی کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ کی مخلوق کی خدمت کے
لئے زیادہ سے زیادہ خرچ کیجئے۔ یہ کام سب سے پہلے اپنے مستحق رشتہ داروں سے
شروع کیجئے اور پھر اس میں دوسرے ضرورت مندوں کو بھی شامل کر لیجئے۔

یاد رکھئے! جو کچھ آپ اللہ کے لئے خرچ کریں وہ محض اللہ کی خوشنودی کے
کے لئے ہو۔ اس میں کوئی غرض، بدلہ یا شہرت کا حصول پیشِ نظر نہ ہو۔

ضرورت مندوں کی امداد پوشیدہ طریقے سے کریں تاکہ آپ کے اندر بڑائی
یا نیکی کا غرور پیدا نہ ہو۔ اور نہ ان کی عزتِ نفس مجروح ہو۔ کسی کو کچھ دے کر احسان
نہ جتائیں اور نہ نمود و نمائش کا اظہار کریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"مومنو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور غریبوں کا دل دکھا کر
اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے
خرچ کرتا ہے۔"

اگر کوئی آپ سے سوال کرے تو اسے جھڑکئے نہیں۔ اگر آپ اسے کچھ دینے کی حیثیت
نہیں رکھتے تو مناسب الفاظ اور نرم لہجے میں معذرت کر لیجئے۔ قرآن پاک کا حکم ہے:

"اور مانگنے والے کو نہ جھڑکو۔"

انسانِ کامل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت، فیاضی اور مستحقین کی
دست گیری میں سب سے ممتاز تھے۔ صحابہ کا کہنا ہے کہ ہم نے آپ سے زیادہ سخی
اور فیاض کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ آپ کا طرزِ عمل اور اعلیٰ عملی نمونہ تھا جس نے ایک ایسا
معاشرہ تشکیل دیا جس میں لوگ اپنی کمائی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بے قرار
رہتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ حال تھا کہ کوئی ضرورت مند آپؐ
کے دروازے سے خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔ اگر آپؐ کے پاس اسے کچھ دینے
کو نہیں ہوتا تھا تو آپ کسی سے قرض لے کر اسے عطا کرتے تھے۔ زمانۂ نبوت سے
پہلے بھی یتیموں، بیواؤں اور مساکین کی امداد آپؐ کا شیوہ تھی۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی کا نزول ہوا اور بشری تقاضے کے تحت آپ پریشان
ہوئے تو حضرت خدیجہؓ نے ان الفاظ میں تسلی دی: "آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ
آپ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔ آپ یتیموں کے والی ہیں اور بیواؤں کی سرپرستی فرماتے ہیں۔"

تاریخ شاہد ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ کی صاحبِ
ثروت خاتون حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرمایا تو آپ نے اپنی ساری دولت راہِ خدا

میں خرچ کر دی۔

یہ فیضانِ نبوت کا اثر تھا کہ نبیؐ کا گھرانہ بھی ان ہی روایات کا علم بردار بنا جو نبیؐ نے بطور ورثہ نوعِ انسانی کے لئے چھوڑی تھیں۔ ان لوگوں کے لئے ارشادِ خداوندی ہوا کہ:

"خود تنگی کی حالت میں رہتے ہیں اور دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال و دولت کو راہِ خدا میں کھلا رکھنے کی تلقین طرح طرح سے کی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"آدم کے بیٹے کا یہ حال ہے کہ کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال! تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے صدقہ کیا اور آگے بھیج دیا، کھا لیا تو اس کو فنا کر چکا اور پہن لیا تو اس کو پرانا کر چکا۔"

ایک بار زبانِ نبوت یوں گویا ہوئی:-

"اے آدم کے بیٹے! تیرا دینا تیرے لئے بہتر اور تیرا رکھ چھوڑنا تیرے لئے برا ہے۔"

ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنی کمائی کو مخلوقِ خدا کی بھلائی کے بہترین مصرف میں صرف کریں تاکہ اس سے ہماری اپنی ذات کی نشوونما ہو اور معاشرہ سے معاشی ناہمواری کے عفریت کا خاتمہ ہو جائے۔ رحمت للعالمینؐ نے ارتکازِ دولت پر بار بار اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا اور اسے مستحقین کی ضروریات پر خرچ کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابوسعید

خدری رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس کے پاس سواری کے لئے زائد اونٹ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ جس کے پاس زائد زادِ راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔"

حضرت ابوسعید رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح مختلف اموال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے محسوس کر لیا کہ ضرورت سے زائد مال رکھنے کا ہم میں سے کسی کو حق نہیں ہے۔

اپنا گھر

اخلاق، خوش مزاجی اور دل کی نرمی کو پرکھنے کے لئے اصل مقام آپ کا گھر ہے جہاں آپ اپنی بیوی اور بچوں سے محبت بھی کرتے ہیں اور اصلاح و تربیت کے لئے اپنا اقتدار بھی چاہتے ہیں۔ گھر کی بے تکلف زندگی میں ہی طبیعت اور مزاج کا ہر رخ سامنے آتا ہے۔ صحیح معنوں میں وہی با اخلاق اور نرم خو ہے جو حفظِ مراتب کے ساتھ اپنے گھر والوں سے خندہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئے۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں:-

"میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے تو سب چھپ جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک کو میرے پاس بھیجتے تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح باہر تبلیغ و تعلیم میں مصروف رہتے تھے اسی طرح گھر میں بھی اس فریضہ کو ادا کرتے رہتے۔ قرآن نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو خطاب کیا ہے:

"اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے:

"اور اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ کی تاکید کیجئے اور خود بھی پابند رہئے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جب کوئی مرد رات میں اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور وہ دونوں مل کر دو رکعت ادا کرتے ہیں تو شوہر کا نام ذکر کرتے والوں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔"

غیب کا شہود

روحانی دنیا میں رات غیب کے شہود کا ذریعہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے:-

"اے میرے محبوب، رات کو اٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کیجئے۔"

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"

"اور وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا چالیس رات میں۔"

"اور نازل کیا ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں، لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے، اس رات میں اترتے ہیں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے اور یہ رات امان اور سلامتی کی رات ہے۔"

خدا سے تعلق پیدا کرنے اور اس میں استحکام کے لئے آخری شب میں بیدار ہو کر خود کو خدا کی طرف متوجہ (مراقبہ) کرنا ضروری ہے۔ خدا نے اپنے دوستوں کی یہ امتیازی خوبی بیان ... ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر اپنے خالق کے سامنے جھکتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اور ... طاؤں کی معافی مانگتے ہیں۔ شب بیدار لوگوں کو اطمینان قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ ان ... بشارت کے ذریعے آنے والی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ ... ں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اب نبوت میں سے بشارتوں کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ لوگوں نے پوچھا "بشارت سے کیا مراد ہے یا رسول اللہ!"

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "اچھا خواب۔"

حضرت محمد علی مونگیری رح نے ایک بار حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے عرض کیا کہ کوئی درود شریف بتایئے جس کی برکت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔

کچھ تامل کے بعد کہا۔ "حضرت سید حسن رح کو اس درود کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ ۔

(خدایا رحمت نازل فرما محمدؐ پر اور اُن کی آل پر ان تمام چیزوں کے بقدر جو تیرے علم میں ہیں)

ہادیٔ برحق رحمت للعالمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :-

"جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعتاً مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

اللہ اور اس کے فرشتے نبیٔ مکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی اللہ کے محبوبؐ پر صلوٰۃ وسلام بھیجو!

حقوقُ العباد

قیامت کے روز اللہ تعالےٰ فرمائے گا: "اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا۔ تو نے میری مزاج پرسی نہیں کی، میری عیادت نہیں کی۔"

بندہ کہے گا: "پروردگارِ عالم! آپ ساری کائنات کے رب ہیں، بھلا میں آپ کی عیادت کیسے کرتا!"

اللہ فرمائے گا: "میرا فلاں بندہ بیمار پڑا، تو اس کی عیادت کو نہیں گیا۔ اگر تو اس کی مزاج پرسی کے لئے جاتا تو مجھے پاتا۔"

اللہ ربّ کائنات کے دوست، اللہ کے پیغام رساں، نورِ اوّل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔

لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہ! وہ کون کون سے حقوق ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تم مسلمان بھائی سے ملو تو اس کو

سلام کرو۔ جب وہ تمہیں دعوت کے لئے بلائے تو اس کی دعوت قبول کرو۔ جب وہ تم سے مشورے کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کرو اور نیک مشورہ دو۔ جب اس کو چھینک آئے اور وہ "الحمد للہ" کہے تو اس کے جواب میں کہو "یرحمک اللہ"۔ جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔"

حضرت عائشہ بنت سعدؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے والد نے اپنا قصہ سنایا کہ میں ایک بار مکے میں سخت بیمار پڑا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے پوچھا، یا رسول اللہ! میں کافی مال چھوڑ رہا ہوں اور میری صرف ایک ہی بچی ہے۔ کیا میں اپنے مال میں سے دو تہائی کی وصیت کر جاؤں اور ایک تہائی بچی کے لئے چھوڑ جاؤں؟ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا، آدھے مال کے لئے وصیت کر جاؤں اور آدھا بچی کے لئے چھوڑ جاؤں؟ تو فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر ایک تہائی کی وصیت کر جاؤں؟ فرمایا، ہاں ایک تہائی کی وصیت کر جاؤ اور ایک تہائی بہت ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میری پیشانی پر رکھا اور منہ پر اور پیٹ پر پھیرا اور دُعا فرمائی اے خدا اسعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما دے۔ اس کے بعد سے آج تک جب کبھی خیال آتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر پر محسوس ہوتی ہے۔

ہادیٔ برحق، معلّمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقوق العباد کی اہمیت کو ایک مکالمہ کے ذریعے یوں فرمایا ہے :

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ ابنِ آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری

عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا کہ اے رب العزت! میں تیری عیادت کیوں کر
کرتا، تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا، کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میرا فلاں بندہ
بیمار ہوا تھا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے معلوم نہیں تھا تو اگر اس کی
عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے
مجھے کھانے کو نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا کہ پروردگارِ عالم! میں تجھے کھانا کیوں کر
دیتا، تو تو ربّ العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا، کیا تو واقف نہیں تھا کہ میرے فلاں
بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے اُسے کھانے کو نہیں دیا۔ کیا تجھے معلوم
نہیں تھا کہ تو اُسے اگر کھانا دیتا تو اسے میرے پاس ہی پاتا۔ اے ابنِ آدم! میں نے
تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ بندہ کہے گا کہ پروردگار! میں تجھے
کس طرح پانی پلاتا۔ تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو واقف نہیں
تھا کہ میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تو تو نے نہیں دیا۔ سُن لے کہ اگر اُسے پانی
پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔

حقوق اللہ میں ہونے والی کوئی کوتاہی تو معاف ہو سکتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ
بے نیاز ہیں لیکن بندوں کو تکلیف دے کر اور ان کے حقوق غصب کر کے ہم نجات کے
مستحق نہیں ٹھہرتے۔ چنانچہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے
مخاطب ہو کر سوال کیا۔

"تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟"

حاضرین نے جواب دیا۔ "یا رسول اللہ! ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس
مال و اسباب نہ ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں قیامت کے دن وہ
مفلس ہوگا جو نماز، روزہ، زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے گا لیکن اس نے دنیا میں
کسی کو گالی دی ہوگی، دوسرے پر بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال لیا
ہوگا، خون کیا ہوگا، مارا ہوگا۔ چنانچہ اس کی تمام نیکیاں ان کو مل جائیں گی جن کے
ساتھ اس نے یہ کام کئے ہوں گے۔ چنانچہ اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائگی سے
پہلے ہی ختم ہو جائیں گی تو پھر لوگوں کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی جن کے ساتھ
اس نے ظلم کیا ہوگا اور وہ جہنم سپرد کر دیا جائے گا۔"

فقیر دوست

ایک ہم ہیں اور ایک ہمارا دوست۔ وہ دوست سراپا خلوص اور عجز و نیاز
ہے۔ دوست کے دل میں محبت کی شمع روشن ہے۔ شمع کے شعلے کی تپش ہم محسوس
کرتے ہیں۔ جب ہم تنہائی محسوس کرتے ہیں تو دوست کا خیال ہمیں رنگ رنگ لذّتوں
سے آشنا کرتا ہے۔ ہم جب بیمار ہوتے ہیں تو دوست کی تیمارداری ہمیں زندہ رہنے
پر آمادہ کرتی ہے۔ خدانہ کردہ ہم کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو دوست کا ایثار
ہمیں اس پریشانی سے نجات دلا دیتا ہے۔ کوئی شخص جب ہمارے اس دوست کو
برا کہتا ہے تو ہم اذیت کی ایسی تکلیف سے دوچار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا شعور بے حال
ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر کوئی آدمی کسی کو اس کی اپنی ذات تک بُرا بھلا کہے یا تکلیف
پہنچائے تو آدمی عفو و درگزر سے کام لے کر آگے بڑھ جاتا ہے لیکن مخلص اور ایثار
پیشہ دوست کی بُرائی ہر اس بندہ کے لئے جو خلوص کے جذبات کو سمجھتا ہے ناقابلِ

برداشت ہے۔

اولیاء اللہ کے دل ہدایت، خلوص، ایثار، محبت اور عشق کے چراغ ہیں یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے دوست ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ عزیز رکھتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ کے دوستوں کا دشمن خدا اور رسول کا دشمن ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، جو شخص کہ دشمنی رکھے خدا کے کسی دوست کے ساتھ بے شک اس نے اللہ کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کیا۔ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ایسے برگزیدہ پوشیدہ حال بندوں کو جو نظروں سے اوجھل ہوں، ان کا تذکرہ نہ کیا جائے اور سامنے ہوں تو مخاطب نہ ہوا جائے، نہ انہیں پاس بٹھایا جائے حالانکہ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔

دوسری جگہ ارشادِ عالی ہے، مجھ کو اپنے فقیروں میں ڈھونڈو۔ پس ان ہی کی بدولت روزی اور نصرت نصیب ہوتی ہے یعنی فقیر میرے دوست ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے طفیل تم کو رزق یا نصرت ملتی ہے۔

ایک روز اُمرائے عرب میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ہمارا دل چاہتا ہے، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن یہ شکستہ حال اصحابِ صفہ آپ کے ہم نشیں ہیں۔ اگر ہمیں تنہائی فراہم کر دی جائے تو ہم آپ سے دینی مسائل حاصل کر لیا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ دانا و بینا، علیم و خبیر ہے۔ جیسے ہی یہ بات ان کے منہ سے نکلی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمدؐ! ان لوگوں کو اپنے سے دُور نہ کریں جو اپنے رب کو صبح

شام پکارتے ہیں اور اس کی دید کے متمنی رہتے ہیں۔ آپ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ آپ ان کو دُور کرنے لگیں، پس ہو جائیں آپ بے انصافوں میں سے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ان فقرا کو تھوڑی دیر کے لئے ہٹا دیا جاتا تو عرب کے بڑے بڑے اُمرا مسلمان ہو جاتے لیکن اللہ کی غیرت نے اس کو پسند نہیں کیا کہ اس کے دوستوں کو کوئی حقارت سے دیکھے۔

بے عمل داعی

خدا جس شخص کو خیر سے نوازتا ہے اسے اپنے دین کا صحیح فہم اور گہری سُوجھ بُوجھ عطا فرماتا ہے۔ بلاشبہ دین کا صحیح ادراک اور دین کے اندر مخفی و ظاہر حکمت تمام بھلائیوں، دانائیوں اور کامرانیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس سعادت سے محروم بندہ کی زندگی میں توازن اور یکسانیت کا فقدان ہوتا ہے۔ ایسا بندہ زندگی کے ہر میدان میں اور زندگی کے ہر عمل میں عدم توازن کا شکار رہتا ہے۔

جب تک آپ خود کو صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں کریں گے آپ دوسروں پر اثرانداز نہیں ہو سکتے۔ پہلے خود کو اسلام میں پورا پورا داخل کیجئے۔ جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کریں پہلے خود اس کی خوبصورت تصویر بن جائیے۔ جو پیغام دینا ہو اپنی ذات کو بتلائیے۔ دوسروں کو نصیحت کرنے اور دعوت دینے سے پہلے خود اس کی عملی تفسیر بن جائیے۔ آپ جو دوسروں سے چاہتے ہیں پہلے خود کر کے دکھائیے۔ دینِ حق کے داعی معجزہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ خود اپنی دعوت کا سچا نمونہ ہوتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے

عمل اور کردار اس کا شاہد و مشہود ہوتا ہے۔ جن اعمال و افعال میں وہ نوعِ انسانی کی بھلائی دیکھتا ہے خود اس کا حریص ہوتا ہے۔

زبان و قلم، انفرادی زندگی، خانگی تعلقات، ازدواجی حالات، سماجی معاملات اور اپنی روحانی واردات و کیفیات سے ایسا ماحول تشکیل دیجئے جو لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ہو۔ اور سکون نا آشنا لوگ اس طرزِ زندگی میں جوق در جوق شامل ہوں

پاکیزہ کردار، ذہنی سکون اور رُوحانی قدروں سے اچھا سماج تشکیل پاتا ہے۔ متوازن قدروں سے تشکیل شدہ نظام کی بنیاد عدل و انصاف پر ہوتی ہے تو ایسی تہذیب وجود میں آجاتی ہے جس تہذیب پر قائم لوگ فرشتوں کے مسجود ہوتے ہیں اور وہ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ کی حیثیت سے کائناتی سلطنتوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔

یاد رکھئے! — جو لوگ اپنی تربیت و اصلاح سے غافل ہو کر دوسروں کی اصلاح و تربیت کی باتیں کرتے ہیں وہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ کے مصداق ہمیشہ تہی دامن رہتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ اپنے جلتے ہوئے گھر سے بے خبر ہیں اور پانی کی بالٹیاں لئے ہوئے اس تلاش میں سرگرداں ہیں کہ کوئی جلتا ہوا گھر انہیں مل جائے اور وہ اس آگ پر پانی کی بالٹیاں انڈیل دیں۔

سوچ رکھئے! ایسے لوگ دنیا میں بھی ناکام ہیں اور آخرت میں بھی ناکام رہیں گے۔ خدا کو یہ بات انتہائی درجہ ناگوار ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے عمل رہیں۔ اور لوگوں کو اس عمل کی دعوت دیں جو خود نہ کرتے ہوں۔

نبی برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے بے عمل داعیوں کو انتہائی ہولناک عذاب سے ڈرایا ہے۔

عید

اَللہُ اَکْبَرُ اَللہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ اَللہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ دو مخصوص دن تفریح کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ نے دریافت فرمایا۔

"یہ دو روز کیا ہیں؟"

اہلِ مدینہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! زمانۂ جاہلیت کے وقت ہم ان دنوں میں کھیل کود اور تفریح کرتے تھے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اہلِ یثرب! اللہ تعالیٰ نے تم کو ان دونوں کی بجائے ان سے بہت اعلیٰ و ارفع دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے عطا کئے ہیں۔" اور فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا ہے تو فرشتے عید گاہ کے راستے میں انتظار کرتے ہیں اور پکارتے ہیں:

اے مسلمانوں کے گروہ! چلو اپنے ربِ کریم کی طرف جو احسان کرتا ہے بھلائی کے ساتھ اور اجر عطا فرماتا ہے اور تم کو رات کو عبادت کرنے کا حکم دیا گیا پس تم نے قیام کیا اور تم کو روزے رکھنے کا فرمان جاری کیا، پس تم نے روزے رکھے اور اپنے ربِ کریم کی اطاعت کی۔ اب تم انعام حاصل کرو۔" اور جب نمازی عید کی نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ملائکہ اعلان کرتے ہیں:

"آگاہ ہو جاؤ! بے شک تمہارے رب نے تمہیں اجر عطا فرمایا اور تم آئے اپنے گھر کی طرف کامیاب ہو کر۔"

عیدالفطر ایک اعلیٰ و ارفع پروگرام کی کامیابی کی خوشی منانے کا دن ہے۔
ربِ کریم کا کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں
ماہِ شوال کی پہلی تاریخ کو دنیا و آخرت کی لازوال اور بے کراں مسرتوں اور نعمتوں سے
ہم کنار فرمایا جب کہ شوال کے مہینے میں سابقہ امتوں کی نافرمانیوں کی پاداش میں
انہیں ہلاک کر دیا گیا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ ماہِ شوال کی پہلی تاریخ بروز شنبہ
قوم نوح غرقاب ہوئی۔ جس دن قوم لوط پر عذاب نازل ہوا اس روز بھی شوال کی پہلی
تاریخ تھی۔ فرعون اپنے لشکر سمیت سہ شنبہ کو دریا میں غرق ہوا اور یہ بھی شوال کی پہلی
تاریخ تھی۔ قوم عاد چہار شنبہ کو ہلاک ہوئی۔ اس روز بھی شوال کی پہلی تاریخ تھی۔
قوم صالح پر پنجشنبہ کو عذاب نازل ہوا اور یہ مہینہ بھی شوال کا تھا۔

عیدالفطر کا دن تھا۔ صبح سویرے تمام مسلمان اپنے مقدس تہوار کی تیاریوں میں
مصروف تھے۔ مسرت و شادمانی کی فضا مدینہ پر چھائی ہوئی تھی۔ عید کی نماز کا وقت جیسے
جیسے قریب آرہا تھا بوڑھے اور جوان اپنے عمدہ ترین لباس میں ملبوس عیدگاہ کی جانب
گامزن تھے۔ بچے اپنے بزرگوں کے نزدیک عیدگاہ کے میدان میں کھیل رہے تھے
فضا خوشبودار لباس، معطر رومالوں اور بچوں کی آوازوں سے روح پرور، فرحت
انگیز اور دل کش تھی۔ عید کی نماز ختم ہوئی۔ لڑکے اچھلتے کودتے، شاداں و فرحاں
اپنے اپنے گھروں کی جانب واپس ہونے لگے۔ نبیِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واپسی
کا قصد فرمایا تو اچانک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میدان کے ایک گوشے

میں تن تنہا، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک نحیف و نزار، کمزور و ناتواں لڑکے
کو دیکھا جو رو رہا تھا۔ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً اس لڑکے کے قریب پہنچے
شفقت و محبت اور بڑی ملائمیت سے لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "میرے
بچے! تم کیوں رو رہے ہو؟"

لڑکے نے غصے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا۔
"خدا کے واسطے مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

حضورؐ نے اس کے بالوں میں شفقت سے اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے فرمایا۔
"لیکن میرے بچے! مجھے بتاؤ تو سہی آخر تمہارے ساتھ ہوا کیا ہے؟"

لڑکے نے اپنے سر کو گھٹنوں میں چھپا کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا "پیغمبر اسلام کی
ایک جنگ میں میرا باپ ہلاک ہو چکا ہے۔ میری ماں نے دوسری شادی کر لی ہے اور
اس کے نئے شوہر نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ میری جائداد بھی دوسروں نے چھین لی
ہے۔ آج سب لڑکے نئے نئے جوڑے پہن کر خوشی سے ناچ رہے ہیں، کھیل رہے
ہیں اور میرے پاس نہ کھانے کی کوئی چیز ہے اور نہ پہننے کو کوئی کپڑا — اور نہ پناہ
لینے کو کوئی سایہ —"

لڑکے کی افسوسناک داستان سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں
سے آنسو بہنے لگے، مگر آپ نے مسکرا کر فرمایا "اگر میں تمہارا باپ ہو جاؤں اور
عائشہؓ تمہاری ماں اور فاطمہؓ تمہاری بہن تو میرے بچے، کیا تم خوش ہو جاؤ گے؟"

لڑکے نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اس کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ حضرت عائشہ رضؓ کو آواز دی اور فرمایا "دیکھو! یہ

تمہارا بیٹا ہے۔"

اُم المومنین حضرت عائشہ رض نے اپنے ہاتھوں سے بچے کو نہلایا، نیا کپڑا پہنایا اور کھانا کھلانے کے بعد کہا "بیٹے! اب تم باہر جاؤ، دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلو جاکر ــــ مگر دیکھو، تھوڑی دیر کے بعد اپنے گھر واپس آجانا۔"

جذب و شوق

قرآنِ پاک نے غور و فکر اور ریسرچ (تجسس و تحقیق) کو ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ کائنات کے انتظام و انصرام کے سلسلے میں جو قوانین جاری ساری ہیں ان کو جاننا بھی ہر ذی شعور مسلمان کا ایک فریضہ ہے، اس لئے کہ یہ سب اللہ کی نشانیوں میں تدبر اور تفکر ہے اور اللہ کی نشانیوں میں تدبر اور تفکر کے نتیجے میں سائنسی حقائق کا مشاہدہ صاحبِ تفکر کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ احادیث سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ارشادِ گرامی ہے:

۱۔ حکمت سیکھو جہاں سے بھی ملے ۲۔ حکمت مومن کی کھوئی ہوئی پونجی ہے وہ جہاں کہیں اس کو پائے اٹھالے ۳۔ ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے ۴۔ طلبِ علم بہترین عبادت ہے ۵۔ علم اسلام کی حیات اور اسلام کا ستون ہے ۶۔ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم سیکھنا فرض ہے، پس علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔ جو شخص دنیاوی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ علم حاصل کرے، جو شخص اُخروی متاع حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ علم حاصل کرے۔

رب العالمین کے فرستادہ رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات اور دعوتِ علم کا اثر یہ ہوا کہ حضورؐ کے امتی پوری توجہ اور جذب و شوق کے ساتھ علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ جہاں جہاں سے بھی ان کو علم حاصل ہو سکتا تھا انہوں نے حاصل کیا اور علم کی فضیلت نے انہیں علوم و فنون میں کرۂ ارض پر قائد اور رہنما بنا دیا۔ مسلمانوں نے اپنے علوم کی بنیاد اوہام پرستی، قیاس آرائی اور مفروضہ باتوں پر نہیں رکھی بلکہ ہر ہر میدان میں تجربے اور مشاہدے کی بنا پر نئی نئی سائنسی، تحقیقات کیں جس کے نتیجے میں مسلمان طبیب، مسلمان ہیئت داں جابر فارابی، زکریا ابنِ سینا، خوارزمی، عمر خیام، نصیر الدین طوسی، ابوالحسن، ابن محمد قزوینی، رازی، ابوالقاسم البیرونی، ابنِ خلدون، امام غزالی وغیرہ پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی محنت اور تحقیق سے سائنسی علوم میں ایک غیر معمولی اضافہ کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب یورپ توہمات میں ڈوبا ہوا تھا۔ مسلمان سائنس دانوں نے قطب نما، بارود اور کاغذ ایجاد کیا۔ یہ عرب سائنس داں ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے فضا میں پرواز کی کوشش کی۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے پتھر سے شیشہ بنایا۔ دُوربین اور پن چکی ایجاد کی۔ اندھوں کے پڑھنے کے لئے اُبھرے ہوئے حروف (BRAIL) ایجاد کئے۔ الجبرا کا وجود بھی عربوں کا رہینِ منت ہے۔ انہوں نے جیومٹری (GEOMETRY) اور ٹرگنومٹری (TRIGNOMETRY) کے یونانی علوم میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ستاروں کی فہرستیں اور ان کے نقشے تیار کئے۔ سطحِ زمین کے ایک درجے کو ناپ کر تمام کرۂ ارض کا محیط دریافت کیا۔ مختلف قسم کی آبی شمسی گھڑیاں بنائیں۔ پنڈولم ایجاد کیا جس سے وقت ناپا جا سکے۔ فنِ طباعت ایجاد کیا اور فنِ طب (MEDICINE) میں انقلاب

برپا کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیم نے عربوں کے دل میں علم کی وقعت اتنی جاگزیں کر دی تھی کہ وہ علم و حکمت کو اپنی میراث سمجھتے تھے۔ جہاں کہیں سے بھی ان کو حکمت و دانش ملتی تھی اس کو حاصل کرتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں مسلم ماہرین علم نے بنی نوع انسان کے علم میں نہایت اہم اور جدید اضافے کئے۔ ان نامور مصنفین کی تصنیفات پڑھ کر موجودہ زمانے کا ہر تعلیم یافتہ شخص ان کتابوں کی ایک امتیازی خصوصیت نوٹ کرتا ہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ ان میں کہیں بھی اسلامی عقائد کے ساتھ تضاد اور مخالفت نہیں پائی جاتی۔ کسی جگہ بھی اسلام اور سائنس کا ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ان نامور مسلم سائنسدانوں کے علم و فضیلت کی روشنی جب چار سو پھیلی تو ان روشنیوں سے مسلم ممالک کے باہر دور دور ممالک میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ عرب سائنس دانوں کے اثرات پیرس، آکسفورڈ، اٹلی اور مغربی یورپ تک جا پہنچے۔

آج کا غیر متعصب دانشور جب تخلیق کائنات اور تخلیقی اسرار و رموز پر غور کرتا ہے اور اس سوچ بچار اور تفکر کے ڈانڈے قرآن پاک سے ملاتا ہے تو یقینی اور حقیقی ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ سائنس انسان کی پیدائشی خاصیت ہے۔ حقیقت میں دانشور جب سائنس کے صحیح مقام کا تعین کرتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ سائنس دراصل تخلیق و تسخیر اور موت و حیات کی حقیقت اور اس کے تمام رازوں تک پہنچنے کا ایک یقینی ذریعہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ہم نے آدم کو اپنی نیابت عطا کی اور اس کو سارے نام سکھا دیئے۔ نیابت سے مراد اللہ کے اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال ہے۔ خصوصی اختیارات کے استعمال کا سوال اسی وقت زیر بحث آتا ہے کہ

جب اختیارات استعمال کرنے کے قواعد و ضوابط اور قوانین سے واقفیت حاصل ہو۔ اختیارات کے استعمال کے قوانین سے باخبر کرنے کے لئے آدم کو علم الاسماء سکھایا۔ اس سے مراد یہی ہے کہ آدم کو تسخیر کائنات کی سائنس سکھا دی گئی تاکہ وہ اس خصوصی علم کے ذریعے کائنات پر اپنا تصرف قائم رکھ سکے۔ علمی اعتبار سے سائنس کا علم فطرت اور کائنات کا علم ہے۔ سائنس کا مقصد ہی یہ ہے کہ کائنات کے افراد اور افراد کے اجزائے ترکیبی کی تخلیق و ترکیب اور مقداروں کا پتہ چلے جو ایک ضابطے کے ساتھ متحرک ہیں اور یہ حرکت ہی کسی شے کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ علمی طور سے سائنس کا کام کائنات کی ساری قوتوں کو فتح کرنا، زمین اور آسمانوں کے خزانوں سے استفادہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے لوہا نازل کیا۔ اس میں انسانوں کے لئے بے شمار فوائد رکھ دیئے۔ ہم جب سائنسی اعتبار سے لوہے کے اندر انسانی فوائد سے متعلق خصوصیات پر تفکر کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آج کی سائنسی ایجاد میں کسی نہ کسی لوہے کا وجود موجود ہے۔ ریل کی پٹری میں، ہوائی جہازوں میں، لاسلکی نظام میں، ہر سائنسی ایجاد میں کسی نہ کسی طرح لوہے کا وجود اپنی اہمیت کا اظہار کر رہا ہے۔ اور اللہ کے ارشاد کے مطابق لوہے سے انسان کو بے شمار فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ہم جب آدم سے اب تک شعوری زاویوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا ہر عمل ایک سائنس ہے اور یہ سائنسی عمل ہی انسان کی ساری ضروریات کا کفیل ہے۔ سارے انسانی پیشے، صنعتیں، دستکاری، تعمیر، مشینیں، سب ایک سائنسی عمل (تحقیق و ترقی) کا نتیجہ ہیں۔ قرآن پاک کے مطالعے سے ہمیں اس بات کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ علمی سائنس ہمیں مختلف اشیا کے ذریعے پہنچی ہے مثلاً

حضرت آدم کے ذریعے زراعت، حضرت نوح کے ذریعے کشتی سازی، حضرت داؤد کے ذریعے لوہے سے متعلق صنعت وحرفت اور حضرت عیسیٰ کے ذریعے طب جیسے سائنسی علوم اور حضرت سلیمان کے ذریعے لاسلکی نظام (WIRELESS SYSTEM) نوعِ انسانی کو پہنچا ہے۔

ایک وقت تھا کہ یورپ علم کے میدان میں تہی دست تھا۔ پورے یورپ میں جہالت اور اندھیروں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ مسلمان چوں کہ اپنے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا تھا اس لئے وہ من حیث القوم ایک ممتاز قوم تھی اور جیسے جیسے وہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تعلیمات، فکر و تدبر اور تحقیق و ترقی (RESEARCH & DEVELOPMENT) کے علوم سے دور ہوتا گیا اسی مناسبت سے اس کی زندگی انفرادی طور پر اور من حیث القوم جہالت اور تاریکی میں ڈوبتی چلی گئی اور جس قوم نے علم کا حصول اور سائنسی ترقی کو اپنے لئے لازم قرار دے لیا وہ بلند اور سرفراز ہوگئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، جو قوم اپنی حالت نہیں بدلتی اللہ تعالیٰ اس کی حالت تبدیل نہیں کرتا۔

ضرورت ہے کہ ہم ناخلف اور ناسعید اولاد کے زمرے سے نکل کر خلف اور سعادت مند اولاد بنیں اور اپنے اسلاف کے ورثے کو حاصل کریں تاکہ تاریکی کے گہرے غاروں سے ہمیں نجات مل جائے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے، علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے پس علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

موت کا خوف

دشمنوں کی فتنہ انگیزی اور ظلم وستم سے گھبرا کر، بے ہمت، بزدل اور پریشان ہوکر، بے رحموں کے سامنے سرنگوں ہوکر اپنے قومی وقار کو داغدار کرنا، دراصل احساس کمتری اور خود کو ذلیل کرنے کی علامت ہے۔ اس کمزوری کا کھوج لگایئے کہ آپ کے دشمن میں آپ پر ستم ڈھانے اور آپ کے ملی تشخص کو پائمال کرنے کی جرأت کیوں ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی دو وجہیں بتائی ہیں:۔

۱۔ مسلمان دنیا سے محبت کرنے لگیں گے،

۲۔ موت ان کے اوپر خوف بن کر چھا جائے گی۔

مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ حالات کیسے بھی لرزہ خیز ہوں وہ حق کی حمایت میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ شدید آزمائش میں بھی حق کا دامن نہیں چھوڑتا۔ کوئی موت سے ڈرائے تو وہ مسکرا دیتا ہے اور شہادت کا موقع آئے تو شوق و جذبے کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہے۔

ان اجتماعی امراض کے خلاف برابر جہاد کرتے رہیئے جن سے سوسائٹی میں خوف و دہشت کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور پھر دشمن کے تسلط سے قوم بے بس ہوکر رہ جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس قوم میں خیانت کا بازار گرم ہوجائے گا خدا اس قوم کے دلوں میں دشمن کا خوف اور دہشت بٹھا دے گا۔ جس معاشرے میں ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ کا رواج عام ہوجاتا ہے وہ ضرور قحط کا شکار ہوگی اور جہاں ناحق فیصلے ہوں گے وہاں لازماً خون ریزی ہوگی۔ جو قوم بدعہدی کرے گی اس پر بہر

حال دشمن کا تسلط ہو کر رہے گا۔

خوف و دہشت کا غلبہ ہو جائے تو اصلاحِ نفس کے ساتھ ساتھ یہ دعا پڑھیئے انشاء اللہ ڈر اور خوف سے نجات مل جائے گی اور اطمینانِ قلب نصیب ہو گا۔

ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یارسول اللہ مجھ پر دہشت طاری رہتی ہے۔"

آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھو۔ اس نے اس دعا کا ورد کیا۔ خدا نے اس کے دل سے دہشت دور کر دی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ ترجمہ: پاک و برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی، عیبوں سے پاک، اے فرشتوں اور جبرئیل کے پروردگار تیرا ہی اقتدار اور دبدبہ آسمانوں اور زمین پر چھایا ہوا ہے۔"

اگر خدانخواستہ کسی خطے میں مسلمان قوم دشمن کے نرغے میں پھنس جائے تو ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا ترجمہ: خدایا! تو ہماری عزت و آبرو کی حفاظت کر اور خوف و ہراس سے امن عطا فرما۔

فرشتوں کی جماعت

خداوند قدوس و مکرم نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کو فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو۔ اور وہ سلام کے جواب میں جو دعا دیں اس کو غور سے سن کر حافظ میں محفوظ کر لو، اس لئے کہ یہی تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے دعا ہو گی۔ چنانچہ حضرت آدمؑ فرشتوں کے پاس پہنچے اور کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

فرشتوں نے جواب میں کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ یعنی فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر کے حضرت آدمؑ کے سلام کا جواب دیا۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ فرشتے جب مومنوں کی روح نکالتے ہیں تو سلام علیک کہتے ہیں۔

"ایسی ہی جزا دیتا ہے خدا متقی لوگوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں ہیں۔ جب فرشتے روح قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سَلَامٌ عَلَیْکُمْ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے صلے میں۔" (النحل ۱۶-۳۲)

جنت کے دروازے پر جب یہ متقی لوگ پہنچیں گے تو جنت کے ذمہ دار بھی ان ہی الفاظ کے ساتھ ان کا شاندار استقبال کریں گے۔

"اور جو لوگ پاکیزگی اور فرماں برداری کی زندگی گزارتے رہے، ان کے جتھے جنت کی طرف روانہ کر دیئے جائیں گے اور جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے جنت کے کارندے ان سے کہیں گے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ، بہت ہی اچھی زندگی گزاری، داخل ہو جاؤ اس جنت میں ہمیشہ کے لئے۔" (الزمر ۷۳)

"اور فرشتے ہر ہر دروازے سے ان کے خیر مقدم کے لئے آئیں گے اور ان سے کہیں گے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ یہ صلہ تمہارے صبر و ثبات کی روش کا

ہے، پس کیا خوب ہے آخرت کا گھر اور اہلِ جنت آپس میں خود بھی ایک
دوسرے کا استقبال ان ہی کلمات کے ساتھ کریں گے۔"
"وہاں ان کی زبان پر یہ صدا ہوگی کہ اے خدا تو پاک و برتر ہے، ان کی باہمی
دعا سلام ہوگی۔"

دنیا کا ہر آدم زاد آپ کا بھائی ہے۔ میں آپ کا بھائی ہوں، آپ میرے بھائی ہیں، وہ میری بہن ہے، میں اس کا بھائی ہوں۔ ان سب بہن بھائیوں میں من حیث القوم پہلے قرابت داروں کا حق زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے اوپر نوعِ انسانی کے حقوق عائد نہیں ہوتے۔ کنبہ، برادری، ملک و قوم اپنی جگہ، ہر آدم زاد کا دوسرے آدم زاد پر حق ہے اور وہ حق یہ ہے کہ ایک باپ آدم اور ایک ماں حوا کے رشتے سے ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کو دعوتِ حق دیں۔ دعوتِ حق قبول کرنے والا کسی علاقے کا ہو، کسی رنگ اور نسل کا ہو، وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، آپ کا اُس سے تعارف ہو یا نہ ہو آپ اس کے ساتھ خلوص اور محبت کا اظہار کر کے سلام میں پہل کیجئے۔ آپ اپنے گھروں میں جب داخل ہوں تو گھر والوں کو بھی سلام کریں۔

جب دو افراد آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں گفتگو کرنے سے پہلے اگر اس بارے میں سبقت کی جائے کہ مخاطب کے سامنے ایسے الفاظ دہرائے جائیں کہ جن لفظوں سے اسے خوشی ہو اور ان کے ذہن کے اندر بند سلامتی کے دروازے کھل جائیں تو اس شخص کے اوپر ایک پُرسکون کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بات چیت کے وقت نرم خو اور خوش دل ہو جاتا ہے۔

نبیٔ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوعِ انسانی کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب بھی کوئی

ایک دوسرے سے میل ملاقات کرے تو دونوں مسرت و محبت کے جذبات کا مظاہرہ کریں اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر دو ایک دوسرے کے لئے سلامتی، عافیت اور نیک خواہشات کا اظہار کریں۔ ایک بندہ کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ تو دوسرا جواب دے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ۔

اللہ تعالیٰ کے حضور بھائیوں کے لئے یہ دُعا باہمی الفت و محبت کو استوار کرتی ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

"تم لوگ جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مومن نہیں بنتے اور تم مومن
نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ آپس
میں سلام کو پھیلاؤ۔"

آپ جب اپنے بھائی، اپنے عزیز، اپنے دوست سے ملاقات کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں تو اس کے معانی یہ ہوتے ہیں کہ آپ نے اپنے بھائی کے لئے دل کی گہرائی سے دُعا کی ہے کہ اے اللہ! اس کے جان و مال کو سلامت رکھ، اس کے گھر بار کی حفاظت فرما، میرے بھائی کے اہل و عیال اور متعلقین کی سلامتی کے ساتھ حفاظت فرما، اس کی دنیا بھی اچھی ہو اور دین بھی روشن اور تابناک ہو۔ اے اللہ! میرے بھائی، میرے عزیز، میرے دوست اور میرے ہم جنس کو ان نوازشات سے نواز دے جو میرے علم میں ہیں اور ان انعامات سے مستفیض فرما جو میرے علم میں نہیں ہیں۔

جب ایک بھائی دوسرے بھائی کو سلام کرتا ہے تو دراصل وہ کہنا یہ چاہتا ہے "اے میرے بھائی! میرے دل میں تمہارے لئے خیر خواہی، محبت و خلوص، سلامتی اور عافیت کے انتہائی گہرے جذبات موجزن ہیں۔ تم بھی میری طرف سے

اندیشہ نہ کرنا، انشاء اللہ میرے طرزِ عمل سے تمہیں کبھی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ کے معانی اور مفہوم کو اگر شعوری طور اس کے ساتھ سوچ سمجھ کر زبان سے ادا کیا جائے تو مخاطب کے اندر یگانگت، قلبی تعلق اور وفاداری کے جذبات پیدا ہوں گے۔ باعثِ تخلیقِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "اَلسَّلامُ خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو خدا نے زمین پر نازل فرمایا ہے۔ پس اَلسَّلامُ کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔"

اعتدال

دین کو پھیلانے کے لئے ہمیشہ دو طریقے رائج رہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر اُس سے گفتگو کی جائے اور حُسنِ اخلاق سے اس کو اپنی طرف مائل کیا جائے۔ اس کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ کر تدارک کیا جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر سے اپنی بات دوسروں تک پہنچائی جائے۔ موجودہ دور تحریر و تقریر کا دور ہے۔ فاصلے سمٹ گئے ہیں، زمین کا پھیلاؤ ایک گلوب (GLOBE) میں بند ہوگیا ہے۔ آواز کے نقطۂ نظر سے امریکہ اور کراچی کا فاصلہ ایک کمرہ سے بھی کم ہوگیا ہے۔ کراچی میں بیٹھ کر لندن، امریکہ کی سرزمین پر اپنا پیغام پہنچا دینا روزمرّہ کا معمول ہوگیا ہے۔ یہی صورتِ حال تحریر کی ہے۔

نشر و اشاعت کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ امریکہ یا دور دراز کسی ملک میں ٹائپ ہونے والی تحریر کراچی یا اسلام آباد میں اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ جیسے کراچی میں

ہی لکھی جا رہی ہے۔ تحریر قاری کے اوپر ایک تاثر چھوڑ دیتی ہے ایسا تاثر جو ذہن کے اندر فکر و فہم کی تخم ریزی کرتا ہے اور پھر یہی فکر و فہم ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔

اپنی تحریر اور تقریر میں ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کیجئے۔ الفاظ کی نشست و برخاست ایسی ہو کہ سننے اور پڑھنے والے کے اُوپر اُمید اور تعلقِ خاطر کی کیفیت طاری ہو جائے۔ خوف کو [illegible] بیان میں [illegible] طرف پر مبالغہ آمیز زور دینے سے بندہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور اُسے اپنی اصلاح اور نجات نہ صرف مشکل بلکہ محال نظر آنے لگتی ہے۔ تحریر میں ایسے الفاظ استعمال کیجئے جن میں رجائیت ہو، خدا سے محبت کرنے کا احساس ہو۔ تصور پیش کیجئے کہ خوف کی جگہ ادب و احترام ہو تاکہ وہ خدا کی رحمت اور بخشش کو اس کے پورے ادب و احترام کے ساتھ قبول کرے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو ایسے انداز سے خدا کی طرف دعوت دیتا ہے کہ خدا سے بندے مایوس نہیں ہوتے اور نہ ہی خدا کا ایسا تصور پیش کرتا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کی سزا سے بے خوف ہو جائیں۔"

دین کی دعوت اور روحانی علوم کی اشاعت کے لئے تھوڑا کام کیجئے مگر مسلسل کیجئے۔ لوگوں کو روحانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی دعوت دیجئے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور تکالیف اور آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے:

"بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔"

مشن میں کامیابی

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب سنّت رسول [illegible] اور [illegible] کے جاں نثار ساتھیوں پر بے پناہ ظلم و ستم کر رہے تھے۔ حضرت جب[illegible]ات ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرما رہے تھے۔ ہم آپؐ کے پاس شکایت لے کر پہنچے۔ یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے خدا سے مدد طلب نہیں فرماتے، آپ اس ظلم کے خاتمے کی دُعا نہیں کرتے؟"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا، "تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لئے گڑھا کھودا جاتا، پھر اس گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیرا جاتا یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ خدا کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔ قسم ہے خدا کی یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار یمن کے دارالخلافہ صنعا سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا۔ البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف ہو گا کہ کسی بکری کو اُٹھا نہ لے جائیں لیکن افسوس کہ تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔"

کسی مشن کو کامیاب بنانے کے لئے آزمائشیں ضروری ہیں۔ جب تک آزمائش سے آدمی نہیں گزرتا، مقصد کی تکمیل نہیں ہوتی۔ مقصد ہمہ گیر ہو یا اس کی حیثیت انفرادی ہو، آزمائش لازمی ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرتے ہیں اس کی تکمیل تک پہنچنے

کے لئے ہمیں مختلف مراحل سے گزرنا ہوتا ہے اور ان مراحل میں ہر مرحلہ دراصل ایک آزمائش ہے۔ ہم اس آزمائش پر پورے اُترتے ہیں تو نتائج مثبت نکلتے ہیں اور اگر ہم آزمائش سے جی چراتے ہیں تو نتیجہ منفی نکلتا ہے۔

آیئے ہم عہد کریں کہ اللہ کے دوست، محبوبِ ربّ العالمین کے وارث، ابدالِ حق، قلندر بابا اولیاءؒ کے روحانی مشن کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے ہر آزمائش پر پورے اُتریں گے اور نہایت خندہ پیشانی، حُسنِ اخلاق اور مدبرانہ حکمت سے لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عرفان حاصل کرنے کے لئے خود اپنی رُوح کا عرفان ضروری ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ